مرکزی دارالعلوم اہلسنّت و جماعت

جامعہ نظامیہ رضویہ کا تاریخی جائزہ

مولانا الحاج محمّد منشا تابش قصوری مدظلہ

بزمِ رضا جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور

مرکزی دار العلوم اہلسنت و جماعت

جامعہ نظامیہ رضویہ

کا

تاریخی جائزہ (ماضی، حال)

مولانا الحاج محمد منشا تابش قصوری مدظلہ

بزمِ رضا جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور، پاکستان

فہرست

شرفِ انتساب

یادگارِ اسلاف، پیکرِ اخلاص واخلاق، وفا شعار، سراپا ایثار، معتمد خصوصی حضرت مفتیِ اعظم پاکستان، مخدوم العلماء والطلباء محترم المقام حضرت مولانا علامہ الحاج مفتی غلام فرید ہزاروی [۱] دامت برکاتہم العالیہ کے نام جو جامعہ نظامیہ رضویہ کی مجسم تاریخ اور ناظمِ تعلقاتِ امورِ عامہ ہیں: اللہ تعالیٰ موصوف کا سایۂ عاطفت ہمیشہ قائم رکھے۔ **اٰمین بجاہِ طٰہٰ ویٰسین**

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وصحبہٖ وبارک وسلم

محمد منشا تابش قصوری

۲/رجب المرجب ۱۴۳۶ھ

۲۳/اپریل ۲۰۱۵ء/یوم الخمیس

---

[۱]: مولانا موصوف 1964ء کو حزب الاحناف دہلی گیٹ سے فارغ التحصیل ہوئے، 1965ء میں حضرت قبلہ مفتی اعظم علیہ الرحمہ نے جامعہ کی خدمات کے لئے اپنا خصوصی معاون مقرر فرمایا اور تادمِ ایں (2015ء) آپ بہترین خدمت سرانجام دے رہے ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جامعہ نظامیہ رضویہ

منزل بہ منزل

جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور پاکستان دنیائے اسلام کی ایک شہرہ آفاق مرکزی درسگاہ ہے جس کی عروج وترقی سے یگانے بیگانے بھی حیران وششدر ہیں۔ اکابر علماء ومشائخ کرام کی دعاؤں کا روح پرور، ایمان افروز اور نہایت حسین وجمیل ثمرہ ہے، جیسے اس کا حال روشن ہے مستقبل اس سے زیادہ تابناک ہوگا۔ انشاء اللہ العزیز

مگر اس کے ماضی میں جھانکیے تو نہایت دلخراش، تکلیف دہ اور المناک مناظر دکھائی دیتے ہیں، تاہم آفرین اس مرد درویش پر جس کی روحانیت کے تمام مراحل جامعہ نظامیہ رضویہ کی بنیادوں سے لے کر فلک بوس عمارتوں کے قیام تک نظر آتے ہیں۔ تفصیل تو آئندہ اوراق میں ملاحظہ فرمائیں گے مگر لاہور میں لوہاری کی اپنی ہی تاریخ ہے جہاں بدمعاشوں کی فوج ظفر موج نے ہر ایک بدمعاشی، مکاری، عیاری، دھونس، رعب یہاں تک کہ قتل تک کے تمام حربے ایک شریف ترین عالم دین مولانا محمد عبدالقیوم ہزاروی علیہ الرحمہ پر آزمائے گئے مگر اس مرد حق آگاہ نے مخالفین کا ہر وار صبر واستقامت سے ناکام بنایا، تن، من، دھن، گھر بار، اولاد تک کی پرواہ نہ کی ایثار و قربانی سے کام لیتے ہوئے ابتلاء وآزمائش کا طویل عرصہ اسی دھن میں گزارا کہ کسی طرح قانونی طور پر جامعہ نظامیہ رضویہ معرض وجود میں آئے۔ مگر ہر دن کا سورج نئی آزمائش لئے طلوع ہوتا اور یہ مجسمۂ صبر وشکر اپنے مشن کی تکمیل کے لئے خندہ پیشانی

سے استقبال کرتا رہا۔

گرمیوں سردیوں میں دن تو چھوٹے بڑے ہوتے رہتے ہیں مگر اس سے پوچھیئے جنہیں نہ دن کو سکون اور نہ شب کو آرام اس کے لئے تو سورج کا طلوع وغروب امتحان ہی امتحان تھا۔

جن صابرین سے اللہ تعالیٰ جل وعلیٰ نے ازخود اپنی محبت ''اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الصَّابِرِیْنَ'' اور اپنی معیت ''اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصَّابِرِیْنَ'' کا اعلان فرمایا ہے۔

یقیناً انہی صابرین میں حضرت مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی علیہ الرحمہ شامل ہیں جن کے عظیم صبر کا نتیجہ دنیائے اسلام **جامعہ نظامیہ رضویہ** لاہور، شیخوپورہ کی صورت میں رشک سے دیکھ رہی ہے۔

جامعہ کی دیگر شاخیں بھی اپنی شان کے ساتھ پاکستان کے کئی بڑے مدارس کو شرمسار کر رہی ہیں۔ جامعہ نظامیہ رضویہ شیخوپورہ اور دیگر شاخوں کی تاریخی روئیداد مستقبل کے مؤرخین کے سپرد کر رہا ہوں تاہم جامعہ نظامیہ رضویہ شیخوپورہ کا اجمالی خاکہ حضرت مفتی اعظم کے دستِ راست تلمیذِ رشید استاذ العلماء حضرت علامہ مولانا الحاج الحافظ محمد عبد الستار سعیدی صاحب دامت برکاتہم العالیہ شیخ الحدیث و ناظمِ تعلیمات جامعہ کے بابرکت قلم سے ملاحظہ فرمائیں کہ جو اسی تاریخی جائزہ کا حصہ قرار دیا گیا ہے۔

خیال رہے کہ جامعہ نظامیہ رضویہ شیخوپورہ کے جامع حالات نائبِ مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا علامہ صاحبزادہ مفتی محمد عبد المصطفیٰ ہزاروی مدظلہ ناظمِ اعلیٰ

جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور، شیخوپورہ نے نہایت خوبصورت انداز میں فور کلر پر مختلف بلاکوں بمع جامع مسجد رضا کے متعدد بار شائع کر کے جدید تاریخ کو محفوظ فرما رہے ہیں، جو بلاشبہ اہل علم و قلم کے لئے جامع ذخیرہ ہوگا۔

علوم و فنون کی اہمیت پر مقالہ طوالت کا حاصل ہوگا لہٰذا اسی مختصر تمہید کو قبول فرماتے ہوئے جامعہ کی دردناک اور فرحت افزا تاریخ کے ہر دو پہلو ملاحظہ فرمائیے۔

فقط

طالبِ دعا: محمد منشا تابش قصوری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بزمِ رضا جامعہ نظامیہ رضویہ پر ایک نظر

دنیائے اسلام کی شہرہ آفاق مرکزی درسگاہ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور پاکستان جہاں کثیر تعداد سے جلیل القدر علماء وفضلاء فارغ التحصیل ہوکر شعبۂ دین میں اپنی خدمات سرانجام دے رہے ہیں وہاں بزمِ رضا جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور اپنے عملی کردار و اقدام سے طلبائے کرام کی ذہنی، فکری، تحقیقی آبیاری کررہی ہے جو دراصل اساتذہ کرام کی ہی خصوصی تربیت کا ثمرہ ہے۔ آج کا متعلم کل کا معلم ہے، مقرر وواعظ اور خطیب ہے، مصلح اور ریفارمر ہے، مصنف ومؤلف اور ادیب ہے۔

بزمِ رضا نے اپنے قیام سے ہی طلباء میں مختلف موضوع پر خصوصی ایام مبارکہ منانے کے ساتھ ساتھ انعامی مقابلے اور مسابقے بھی جاری رکھے ہوئے ہیں۔ اسی سلسلہ کو آگے بڑھاتے ہوئے امسال بین المدارس مسابقہ حسنِ تقریر کا انعقاد بھی کیا گیا۔ اس بزم کی ترقی وعروج اور ارتقاء استاذ الاساتذہ حضرت علامہ مولانا الحاج الحافظ محمد عبدالستار سعیدی دامت برکاتہم کی مرہونِ منت ہے جبکہ حضرت علامہ مفتی صاحبزادہ محمد عبدالمصطفےٰ ہزاروی مدظلہ سرپرستی فرمارہے ہیں جن کی خصوصی رہنمائی میں اس کا دائرہ کار بڑھتا جارہا ہے۔

تحریری وتعمیری منصوبوں میں امسال 2015ء / ۱۴۳۶ھ نہایت محبوب و مقبول تصنیف، دعوتِ فکر از ''محمد منشا تابش قصوری'' نیز موصوف ہی کے قلم کا ایک اور شاہکار ''جامعہ نظامیہ رضویہ پاکستان کا تاریخی جائزہ'' کی طباعت و اشاعت کے

ساتھ ساتھ طلباء کرام کی سہولت کے لئے ایک خوبصورت وضوخانہ تعمیر کرایا اور خطیر رقم سے پانی کا فلٹر پلانٹ بھی لگایا جا رہا ہے جس سے بانی جامعہ مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا علامہ استاذ المحد ثین مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی علیہ الرحمہ کی روح مبارک یقیناً خوش ہوگی ۔اس وقت بزم کے سینئر اراکین جو بڑی مستعدی سے خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔

امسال بزم کے لئے جن عہدیداران کا انتخاب کیا گیا وہ یہ ہیں

جنرل سیکرٹری: مولانا رفاقت حسین قادری

جوائنٹ سیکرٹری: مولانا خادم حسین قادری

فنانس سیکرٹری: مولانا محمد نوید اعوان

سیکرٹری نشر واشاعت: مولانا محمد ظفر سلطانی

اللہ کرے ان کا ذوق یوں ہی ہمیشہ قائم رہے۔

آمین!

پیکر علم و عمل شخصیت

استاذ العلماء علامہ مفتی محمد عبد القیوم ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ

علوم و فنون اسلامیہ میں تاریخ و سوانح کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ یہ ایک ایسا وسیع شعبہ ہے جس کا احاطہ ممکن نہیں، انسان کی تاریخ، شہر کی تاریخ، ملک کی تاریخ اور ان سے متعلقات کی تاریخ، جغرافیائی، تمدنی، معاشی، معاشرتی، کیفیات کی تاریخ، اقتصادی، ثقافتی تاریخ، مذاہت و ادیان کی تاریخ الغرض یہ ایسی بے شمار سرخیاں ہیں جن پر بڑی بڑی کتب مرتب ہوئیں اور ہو رہی ہیں۔

دیگر موضوعات کو چھوڑیئے صرف رجال کی تاریخ، سیرت، سوانح کو ہی لیجئے تو اس پر ہر زمانہ میں ان گنت کتابیں معرض وجود میں آئیں اور یہ ایک ایسا فن ہے جس سے ہر صاحب علم کو دلچسپی ہے، لیکن ہر ایک کی تاریخ نہیں لکھی جاتی ہر شخص کو صفحہ قرطاس پر نہیں لایا جاتا، ہر کسی کو تاریخ رجال میں جگہ نہیں ملتی، تاہم جسے زینت قرطاس و قلم بنایا جاتا ہے اس میں کوئی خاص بات ہوتی ہے۔

آج ہمیں ہزاروں سال پہلے آنے والے ایسے انسان کے احوال و آثار اور کیفیات پر آگاہی حاصل ہو سکتی ہے جسے ہم نے دیکھا تک نہیں، مگر صفحات تواریخ میں اسے جلوہ گر پایا، وہیں پڑھا اور پڑھنے سے اتنے متاثر ہوئے کہ جگہ جگہ اس کی باتیں، اسی کی حکایتیں، اسی کے تذکرے، اسی کی داستان اور اسی کی کہانی ہے۔ آخر کیوں؟

اس کا مختصر سا تو یہی جواب ہے کہ اس کے کارہائے نمایاں اجاگر ہوئے اس کے اعمال کی تشہیر ہوئی اس کے علوم و فنوں نے نہ صرف ذاتی طور پر اسے مقبولیت سے

نوازا بلکہ اس کی پر اثر آواز سے گم گشتگان راہ، صراطِ مستقیم پر گامزن ہوئے، یگانے بیگانے سبھی اس کی خدمات کے معترف ہوئے یہاں تک کہ آفاق میں بلند تر مقام نصیب ہوا۔ تاریخی شخصیات کی فہرست بڑی طویل ہے، عصر حاضر میں ہماری لاتعداد ایسی نامور ہستیاں تشریف لائیں جو آسمان شہرت پر آفتاب ومہتاب بن کر چمکیں مگر ان کے احوال وآثار کا تذکرہ تو کجا صرف اسمائے گرامی ہی درج کئے جائیں تو کئی دفتر جمع ہوں گے۔ جن کا اس مختصر سے مقالہ میں اندراج ممکن نہیں یہاں صرف عصر حاضر میں اہلِ سنت و جماعت کی عظیم شخصیت پیکر علم وعمل، فخر المدرسین، عمدۃ المحققین، استاذ العلماء والمحدثین حضرت علامہ مولانا ابوسعید مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی قادری رضوی رحمہُ اللہ تعالیٰ کی پاکیزہ زندگی کے چند اہم پہلوؤں کا خلاصہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کررہا ہوں۔ تاکہ مستقبل کا مؤرخ جب انہیں اپنے قلم کا موضوع بنائے تو اسے دقّت کا سامنا نہ ہو۔

ولادت، تعلیم وتربیت:

ممدوح اکابر مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی اہل علم وفضل خاندان کے چشم و چراغ تھے اس بابرکت خاندان کو بیسیوں علماء وحفاظ پیدا کرنے کا شرف حاصل ہے اور یہ سلسلہ بفضلہٖ وکرمہ تعالیٰ بدستور فیاض ابدی کی عنایات سے جاری وساری ہے۔

آپ نے ۲۹ر شعبان المعظم ۱۳۵۲ھ، ۲۸ر دسمبر ۱۹۳۳ء کو بمقام میراہ اپر تناول مانسہرہ (ہزارہ) میں علاقہ کی معروف شخصیت حضرت مولانا حمید اللہ صاحب ہزاروی کے ہاں آنکھ کھولی! چونکہ آپ کے والد ماجد جڑانوالہ ضلع فیصل آباد میں فرائض

امامت وخطابت انجام دے رہے تھے اس لئے آپ کی پرورش اور تعلیم وتربیت انہوں نے اپنی نگرانی میں یہاں پر جاری رکھی، قرآن کریم والد ماجد سے پڑھا، آپ نے بیان فرمایا کہ میں اور میرے بڑے بھائی محمد عبداللہ اکٹھے پڑھتے تھے چوتھی جماعت کا نتیجہ سن کر خوشی خوشی گھر آرہے تھے کہ سرِ راہ والد صاحب کو مولانا حمید اللہ صاحب ملے رزلٹ سن کر باری باری پوچھنے لگے اب تم کیا پڑھنا چاہتے ہو؟ میرے بڑے بھائی صاحب نے انگلش پڑھنے کا اظہار کیا، جب مجھ سے پوچھا گیا تو بے ساختہ میری زبان سے نکلا میں تو عربی، فارسی پڑھوں گا۔ بس پھر ہم دونوں کو دینی تعلیم کے لئے وقف کر دیا گیا۔

آپ فرماتے تھے کہ جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے میری عمر سات آٹھ سال ہوگی کہ مجھے والد ماجد نے جیندھڑ شریف ضلع گجرات کے ایک دینی مدرسے میں داخل کرا دیا، یہ مدرسہ حضرت پیر سائیں گوہر علی صاحب نے قائم کر رکھا تھا سائیں گوہر علی علم لدنی سے سرفراز تھے بظاہر انہوں نے کسی استاذ کے سامنے زانوئے تلمذ طے نہیں کیا تھا مگر جملہ علوم وفنون اسلامیہ پر ان کی گہری نظر تھی صحیح بات تو یہ ہے کہ وہ عارف باللہ کے مرتبے پر فائز تھے۔

حضرت مولانا مفتی محمد عبد القیوم ہزاروی علیہ الرحمہ نے جیندھڑ شریف کے علاوہ پاکستان کے متعدد دینی اداروں میں اکتساب علم کرتے ہوئے مرکزی دار العلوم حزب الاحناف لاہور سے ۱۹۵۵ء میں سند فراغت حاصل کی بعدہ آپ کا ذوقِ حدیث، حضرت محدث اعظم پاکستان مولانا ابو الفضل محمد سردار احمد چشتی قادری رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں فیصل آباد لے گیا۔ چنانچہ ۱۹۵۶ء میں جامعہ رضویہ مظہر

اسلام فیصل آباد سے سند حدیث اور دستار فضیلت حاصل کی۔

مرکزی دار العلوم حزب الاحناف میں آپ کی دستار بندی کے مبارک موقع پر دیگر اکابر اہلسنت کے علاوہ حضرت محدث اعظم کچھوچھوی، غازی کشمیر امیر تحریک ختمِ نبوت حضرت علامہ ابو الحسنات قادری، غزالی زماں حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی اور مناظر اسلام حضرت علامہ ابو الحقائق عبد الغفور ہزاروی رحمہم اللہ تعالیٰ بھی موجود تھے۔

آپ کے جلیل القدر اساتذہ:

حضرت علامہ مفتی محمد عبد القیوم ہزاروی رحمہ اللہ تعالیٰ نے جن اساطین علم وفن کے حضور زانوئے تلمذ طے کیا ان میں اکابر اساتذہ کے اسمائے گرامی درج گئے جاتے ہیں تاکہ ایک نظر سے ہی معلوم ہو جائے کہ آپ کی فراست وبصیرت کتنی عظیم اور بلند مرتبت ہستیوں کی مرہونِ منت ہے۔

☆ حضرت مولانا علامہ حمید اللہ صاحب ہزاروی رحمہ اللہ تعالیٰ (والد ماجد)

☆ حضرت مولانا علامہ محبوب الرحمٰن ہزاروی (چچا جان)

☆ حضرت مولانا علامہ محبّ النبی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

☆ حضرت مولانا علامہ سید محمد انور شاہ صاحب

☆ حضرت مولانا علامہ غلام رسول رضوی صاحب شارح بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ

☆ محدث اعظم پاکستان حضرت علامہ ابو الفضل محمد سردار احمد چشتی قادری رضوی علیہ الرحمۃ

☆ مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا علامہ سید ابو البرکات سید احمد قادری اشرفی الوری لاہور علیہ الرحمۃ خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔

۱۹۵۳ء میں آپ نے حضرت محدث اعظم پاکستان کے ہاتھ پر بیعت کا شرف حاصل کیا۔

عملی زندگی کا آغاز:

ممدوح اکابر حضرت مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی ابھی دار العلوم حزب الاحناف لاہور میں درجہ حدیث کی تکمیل بھی نہیں کر پائے تھے کہ حضرت مولانا ابوالعلاء مفتی محمد عبداللہ اشرفی برکاتی قصوری اپنے دار العلوم جامعہ حنفیہ قصور کے لئے کسی قابل مدرس کی تلاش میں حزب الاحناف آئے تو مفتی اعظم پاکستان قبلہ سید صاحب سے اس سلسلہ میں گزارش کی کہ جامعہ حنفیہ قصور کے لئے نہایت قابل مدرس عطا فرمائیں چنانچہ قبلہ سید صاحب نے آپ کو ان کے ہمراہ تدریس کے لئے روانہ فرمایا، جہاں حضرت مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی نے بڑی عرق ریزی، محنت شاقہ اور پوری لگن سے پڑھانا شروع کیا چونکہ آپ نے ہر فن کو انتہائی محنت اور عشق سے حاصل کیا تھا اس لئے تدریس کے معاملہ میں آپ کو کسی دقّت کا سامنا نہیں کرنا پڑتا تھا، بناء علیہ یومیہ بائیس (۲۲) اسباق کی تدریس آپ کے ذمہ تھی۔ اسباق کی کثرت نے آپ کو علیل کر دیا چنانچہ علالت کے باعث آپ کو ایک سال بعد گھر آنا پڑا جب روبصحت ہوئے تو حضرت محدث اعظم پاکستان کی خدمت میں فیصل آباد حاضری دی تو انہی کے ارشاد پر آپ سمندری فیصل آباد میں امامت وخطابت کے فرائض سرانجام دینے لگے مگر قدرت نے آپ سے عظیم ترین کام لینا تھا اس لئے جلد ہی حضرت مولانا عبدالغفور صاحب مہتمم مدرسہ غوثیہ رضویہ ''پیر محل'' اپنے مدرسہ کے لئے مدرس کی تلاش

میں حضرت محدث اعظم پاکستان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان کی اجازت سے موصوف نے آپ کو پیر محل کے لئے حاصل کرلیا۔

ماہ رمضان المبارک کی سالانہ تعطیلات کے باعث ابھی آپ نے مدرسہ غوثیہ رضویہ پیر محل کا تدریسی چارج بھی نہیں سنبھالا تھا کہ آپ کے استاذ گرامی حضرت مولانا غلام رسول رضوی نے جامع مسجد خراسیاں لوہاری منڈی لاہور میں ''جامعہ نظامیہ رضویہ'' کی بنیاد رکھتے ہی اپنی معاونت کے لئے حضرت محدث اعظم پاکستان سے آپ کو طلب کیا آپ فرماتے ہیں حضرت محدث اعظم پاکستان نے حکم نافذ کرنے کی بجائے میری رائے معلوم فرمائی تو میں نے استاذ محترم کی معاونت کے لئے اپنی رضا مندی کا اظہار کر دیا اور یہی بات جامعہ نظامیہ رضویہ کی عظمت و رفعت کی علت غائیہ بن گئی۔

لاہور تشریف آوری:

حضرت قبلہ مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی علیہ الرحمہ نے اپنی لاہور تشریف آوری کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا استاذ العلماء حضرت علامہ غلام رسول رضوی صاحب کا ایک گرامی نامہ جو آپ نے حضرت محدث اعظم پاکستان کی خدمت میں ارسال کیا تھا میرے لاہور آنے کا محرک بنا جس میں تحریر تھا کہ مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی کو میری معاونت اور تدریسی امور انجام دینے کے لئے بھیجا جائے، چنانچہ محدث اعظم پاکستان کی رضا پر سر تسلیم خم کرتے ہوئے جامعہ نظامیہ رضویہ کے تدریسی فرائض سے

عہدہ برآ ہونے کے علاوہ انتظامی امور و معاملات کے لئے سرمایہ کی فراہمی میں بھی خوب محنت سے حصہ لیا۔ معمولی سے مشاہرہ کے ساتھ ہر قسم کی آزمائشوں اور امتحانوں کو خندہ پیشانی سے برداشت کرنے کی طرح ڈالی، موچی دروازہ لاہور اور اسلام نگر (سابق کرشن نگر) میں تقریباً سات سال تک امامت و خطابت کی ذمہ داریوں کو نبھاتے رہے۔

جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور کی بنیاد شوال المکرّم ۱۳۷۶ھ\۱ مئی ۱۹۵۶ء کو قدیم تاریخی مسجد خراسیاں میں بے سروسامانی کے عالم میں رکھی گئی۔ حضرت محدث اعظم پاکستان مولانا ابوالفضل محمد سردار احمد رضوی چشتی نے ہدایہ شریف کے سبق سے آغاز کیا جبکہ حضرت مولانا علامہ غلام رسول رضوی صاحب مہتمم اور حضرت مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی مدرس و ناظم مقرر ہوئے۔

علوم و فنون اسلامیہ کا یہ ننھا سا پودا ابھی برگ و بار بھی نہیں پیدا کر پایا تھا کہ یکم شعبان المعظم ۱۳۸۲ھ\۱۹۶۲ء کو حضرت محدث اعظم پاکستان وصال فرما گئے اور ان کے بعد جامعہ رضویہ مظہر اسلام فیصل آباد میں حدیث رسول کریم ﷺ کا فیضان جاری رکھنے کے لئے حضرت استاذ العلماء غلام رسول رضوی واپس فیصل آباد تشریف لے گئے اور جامعہ نظامیہ رضویہ کے تمام تر انتظامات کی ذمہ داری آپ کے کندھوں پر آپڑی۔

جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور کی تاریخ مصائب و آلام سے عبارت ہے جو حقیقتاً حضرت مفتی صاحب کے صبر و تحمل، عزیمت و استقلال اور حلم و بردباری کی ناقابل فراموش داستان ہے جن کربناک لمحات نہیں بلکہ سالوں سے آپ کو گزرنا پڑا ان دکھ

بھرے احوال کا تذکرہ قلم کے بس کی بات نہیں، اہلِ محلّہ کی یورش، مقدمات کی بھرمار، مدرسین وطلباء کے لئے ضروریات کا حصول، جامعہ کے داخلی وخارجی معاملات سے کما حقہ عہدہ برآ ہونا ایسے امور نے آپ کو مضمحل کر کے رکھ دیا مگر اس مردحق آگاہ نے جس کا خمیر ہی ایثار وقربانی کے جذبات سے تیار ہوا تھا ہر تکلیف کو خندہ پیشانی سے قبول کرتے ہوئے جامعہ کے ہر شعبے کی تعمیر وترقی کے لئے ہمہ تن وقف ہو گئے۔

تحریکی خدمات:

حضرت مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی مدظلہ محض ایک مکتب ومدرسہ کے ناظم کی حیثیت ہی نہیں رکھتے تھے بلکہ آپ کی نگاہ کی بصیرت وفراست بڑی دوررس نتائج کی امین تھی۔ پاکستان میں سیاسی سطح پر رونما ہونے والی تبدیلیوں پر آپ نے بڑی گیرائی اور گہرائی سے کام لیا۔ ہر اسلامی تحریک میں آپ کی خدمات بڑی واضح اور روشن ہیں تحریک ختمِ نبوت، تحریک نظامِ مصطفیٰ میں آپ اور آپ کے تلامذہ، جامعہ نظامیہ رضویہ کے مدرسین وطلباء نے وہ کارہائے نمایاں سرانجام دیئے ہیں جو تاریخ کا ایک باب بن چکے ہیں اس سلسلہ میں راقم کی مرتب کردہ کتاب ''تحریک نظامِ مصطفیٰ میں جامعہ نظامیہ رضویہ کا کردار'' شاہد وناطق ہے، جس میں آپ کی سرپرستی میں جامعہ کے مدرسین وطلباء نے جس عزم وہمت، جانثاری وفداکاری کا مظاہرہ کیا، بھٹو شاہی مارشل لا کے غنڈوں کی گولیوں اور آنسو گیس کی بارش سے زخمی ہونے کے ساتھ ساتھ قید وبند کی صعوبتوں سے دوچار ہوئے، ایسے واقعات کی تصویری شہادتیں اور قلمی روئیداد تفصیلی طور پر دیکھی جاسکتی ہے۔

ایک سے بڑھ کر:

یوں تو مفتی صاحب کے بے شمار تاریخی اہمیت کے کارنامے ہیں جن کو انشاء اللہ العزیز کتابی صورت میں لانے کی طرح ڈالی جا رہی ہے مگر تنظیم المدارس اہل سنت پاکستان کا معرض وجود میں لانا آپ کا وہ عظیم الشان کارنامہ ہے جس سے پورے پاکستان بمعہ آزاد کشمیر کے ڈیڑھ ہزار سے زائد اہل سنت و جماعت کے قابل ذکر مدارس ایک پلیٹ فارم پر جمع ہیں جبکہ طالبات کے سینکڑوں ادارے بھی تنظیم المدارس سے الحاق کر چکے ہیں، ''تنظیم المدارس اہل سنت پاکستان'' کی اہمیت و حیثیت گورنمنٹ سطح پر تسلیم کی جا چکی ہے جس کی اسناد کی برکات اظہر من الشّمس ہیں کتنے ہی وہ فارغ التحصیل علماء کرام ہیں جنہیں تنظیم المدارس کی سند نے اوقاف میں جگہ دی، سکولوں اور کالجوں حتیٰ کہ فوج میں ہماری تنظیم کے مستند علماء کرام خدماتِ دینیہ انجام دے رہے ہیں، قومی و صوبائی اسمبلیوں میں بھی اسی اسناد نے متعدد ممبران کو پہنچایا۔ ان تمام امور میں کامیابی کا کریڈٹ حضرت قبلہ مفتی صاحب کی ذاتِ ستودہ صفات کو جاتا ہے۔

بحیثیت منتظمِ اعلیٰ:

حضرت قبلہ مفتی صاحب اَن گنت اوصافِ حمیدہ وکمالاتِ جمیلہ سے مرصع تھے آپ کی بے شمار خوبیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جامعہ نظامیہ رضویہ کے انتظام و انصرام میں بڑی دور اندیشی اور مہارت تامہ سے کام لیتے رہے انتظامی امور میں ہر ایک شعبہ سے جو صاحب منسلک ہے اسے اپنے شعبہ کو خوش اسلوبی سے چلانے کی

مکمل آزادی دی، حضرت مولانا غلام فرید صاحب ہزاروی شعبہ امور تعلقات عامہ سے تعلق رکھتے ہیں جبکہ حضرت مولانا حافظ محمد عبدالستار سعیدی صاحب ناظمِ تعلیمات جامعہ ہونے کی حیثیت سے بڑے احسن پیرائے میں آپ کی معاونت فرماتے رہے، جامعہ کے مدرّسین و اساتذہ کرام پر مفتی صاحب کو اتنا اعتماد تھا کہ شاذ و نادر ہی کسی جماعت میں دورانِ اسباق جاکر جائزہ لیا ہو یہی وجہ ہے کہ اساتذہ کرام بڑی جانفشانی اور محنت سے تدریسی خدمات سرانجام دے رہے ہیں لطف کی بات تو یہ ہے کہ جامعہ کے اساتذہ کرام زیادہ تر حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں یہی وجہ تھی کہ حضرت مفتی صاحب اطمینان قلب سے جامعہ کے داخلی و خارجی معاملات کو سرانجام دیتے رہے، خوش بخت ہیں یہ حضرات جنہیں ایسے کریم النفس کی سرپرستی نصیب ہوئی اور خوش نصیبی ہے ناظمِ اعلیٰ کی جنہیں ایثار پیشہ مدرّسین کی بابرکت ٹیم ملی جن کا نام جامعہ کی نسبت سے آسمان علم وادب پر چمک رہا ہے۔

جامعہ کی ترقی کا راز:

جہاں تک میں سمجھتا ہوں جامعہ نظامیہ رضویہ کی شہرہ آفاقی قبولیت ومحبوبیّت کا باعث حضرت مفتی صاحب کی ذات خداوندی پر کامل توکل اور نبی کریم ﷺ کی نگاہِ رحمت پر بھروسہ رکھنے کے ساتھ ساتھ از خود تدریس سے عشق، اسباق سے محبت تھی، آپ کو اسباق سے ناغہ بڑا شاق گزرتا، سینکڑوں میل کا سفر کیوں نہ طے کیا ہو، رات بھر کی بیداری اور سفر کی تھکان آپ کے محبوب ترین مشن ''اسباق'' کی راہ میں رکاوٹ نہ بن سکی۔ اور پھر اسباق کا یہ عالم، ایک طرف ایک چھوٹی جماعت کو پڑھایا جارہا ہے تو

دوسری طرف دورۂ حدیث شریف کے طلباء کی تسلی و تشفی بھی کی جا رہی ہے، آٹھ آٹھ، دس دس سبق تو آپ کی روح کی یومیہ غذا تھی، طلباء سے بے پناہ شفقت، پیار اور محبت جو خاصانِ خدا کا طرۂ امتیاز ہوتا ہے یہ بھی حضرت مفتی صاحب کا خاصہ تھا۔ مدرّسین کرام کے دکھ درد خوشی و غمی میں ایک نہایت مخلص و مشفق اور مہربان کی طرح شریک ہوتے۔ دراصل جامعہ کی ترقی کا یہی راز ہے اگر مدارس اہل سنت کے مہتمم و ناظم حضرات بھی اس روش اور طریقہ کو اپنا لیں تو بڑی حد تک وہ مقاصد حسنہ میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔

جسمانی و روحانی اولاد:

حضرت مفتی صاحب کو اللہ تعالیٰ نے چار صاحبزادوں سے نوازا جن کے نام علی الترتیب درج ذیل ہیں، محترم جناب صاحبزادہ سعید احمد صاحب، مولانا عبد المصطفیٰ صاحب، مولانا حافظ قاری عبد المجتبیٰ صاحب اور مولانا حافظ قاری غلام مرتضےٰ صاحب حفظہم اللہ تعالیٰ اور آپ کی روحانی و معنوی اولاد جس نے آپ سے اکتسابِ فیض کیا اس کی تعداد ہزاروں تک جا پہنچتی ہے تاہم یہاں چند ارشد تلامذہ کے اسمائے گرامی رقم کئے جاتے ہیں جو اپنی دینی، علمی، تحقیقی، تصنیفی و تدریسی خدمات کے باعث بین الاقوامی شہرت کے مالک ہیں۔

☆..... حضرت مولانا علامہ محمد عبد الحکیم شرف قادری صاحب (علیہ الرحمۃ)

☆..... حضرت مولانا علامہ مفتی گل احمد خان عتیقی صاحب

☆..... حضرت مولانا مفتی محمد صدیق ہزاروی، لاہور

☆..... حضرت مولانا علامہ حافظ محمد عبدالستار سعیدی صاحب ناظمِ تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

☆..... حضرت مولانا مفتی محمد منیب الرحمٰن چیئرمین رؤیت ہلال کمیٹی پاکستان

☆..... حضرت مولانا علامہ غلام فرید صاحب ناظمِ اعلیٰ امور تعلقاتِ عامہ جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

☆..... حضرت مولانا علامہ ڈاکٹر پروفیسر ضیاء المصطفیٰ قصوری مدرس جامعہ نظامیہ رضویہ و لیکچرار اسلامیہ کالج، لاہور

☆..... حضرت مناظرِ اسلام مولانا عبدالتواب صدیقی صاحب مدرس جامعہ ہذا

☆..... حضرت علامہ مولانا حافظ خادم حسین رضوی صاحب مدرس جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور

☆..... حضرت علامہ مولانا ڈاکٹر فضل حنان صاحب مدرس جامعہ نظامیہ لاہور

☆..... حضرت مولانا قاری محمد عبدالرحیم صاحب ہزاروی نگران و ناظم جامعہ نظامیہ رضویہ، شیخوپورہ

☆..... حضرت مولانا ریاض احمد صمدانی مبلغ یورپ (انگلینڈ)

☆..... حضرت مولانا حافظ قاری جمشید احمد صاحب ہزاروی (لندن)

☆..... مولانا نذیر احمد سعیدی، مولانا محمد عبداللہ، مولانا محمد اکرام اللہ بٹ، مولانا محمد یعقوب رضوی گجرات، مولانا محمد طاہر تبسم، مولانا نثار احمد شاکر، چھانگا مانگا، مولانا نور محمد قادری۔

☆..... حضرت مولانا مفتی محمد تنویر القادری صاحب لاہور

☆..... مولانا قاری احمد رضا سیالوی صاحب لاہور

☆..... علامہ مولانا دل محمد چشتی صاحب

☆..... مولانا ریاض احمد اویسی صاحب، لاہور

☆..... مولانا عمران الحسن فاروقی صاحب، لاہور

الغرض پاکستان میں دینی اداروں، سکولوں اور کالجوں میں آپ کے تلامذہ تعلیم وتربیت اور درس وتدریس میں مصروف عمل ہیں۔ خطباء وواعظین اور ائمہ مساجد کی کثیر تعداد آپ سے فیض یافتہ ہے، بیرونی ممالک میں بھی آپ کے تلامذہ اچھی خاصی تعداد میں تبلیغ واشاعت اسلام وسنیّت سے وابستہ ہیں۔

تصانیف:

آپ کی مصروفیات کو دیکھتے ہوئے کوئی تصور بھی نہیں کرسکتا کہ آپ قرطاس و قلم کے لئے بھی وقت نکال سکیں گے، مگر فیاض ازلی وابدی کی بیکراں عنایات کے باعث آپ نے اس محاذ کو بھی خوب نوازا ہے ہزارہا تعداد میں فتاویٰ جاری کرنے کے علاوہ آپ نے درج ذیل علمی وتحقیقی کتابیں بھی تصنیف فرمائی ہیں:

☆ التوسل (عربی) پاکستان، بھارت اور ترکی سے شائع ہوچکی ہے۔

☆ تاریخ نجد وحجاز، پاکستانی اشاعت کے علاوہ بریلی شریف سے جاری ماہنامہ اعلیٰ حضرت میں قسط وار شائع ہورہی ہے۔

☆ علمی مقالات (مطبوعہ) (فقہ وحدیث پر مبنی)

☆ امام اعظم کے اجتہادی قواعد واصول

آخرالذکر کے علاوہ سبھی شائع ہو چکی ہیں بہت سے مقالات علمی رسائل و جرائد کی زینت بن چکے ہیں۔

رضا فاؤنڈیشن کا قیام اور فتاویٰ رضویہ کی اشاعت:

قارئینِ کرام! حضرت مفتی صاحب کی کس کس بات کو پیش کروں آپ کی ہر بات، سبحان اللہ. ماشاء اللہ!! ''بات''نہیں خدمت اور ایسی خدمات کا سرانجام دینا فضل ایزدی کا ظہور ہے وہ جسے چاہتا ہے اپنے فضل و کرم سے نوازتا ہے اس کا تو ارشاد ہے:

ترفع درجات من نشآء وفوق کل ذی علم علیم.

''ہم جس کے لئے چاہتے ہیں اس کے درجات بلند کر دیتے ہیں اور ہر علم والے سے بڑھ کر علم والا ہے۔''

چنانچہ جن خواص کے مدارج میں اللہ تعالیٰ نے رفعت و بلندی ودیعت فرمائی ہے یقیناً انہیں پاکانِ خدا میں حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ شامل ہیں جن کا اوڑھنا بچھونا ہی علم وعمل رہا، امام اہل سنت اعلیٰ حضرت مولانا الشاہ احمد رضا خان بریلوی رحمہ اللہ کی ذات ستودہ صفات کو جیسے عالمِ اسلام میں مقبولیت میسر ہے ایسے ہی جہانِ فتاویٰ میں فتاویٰ رضویہ کو فوقیت حاصل ہے جو پہلے بارہ ضخیم جلدوں پر مشتمل تھا جسے حضرت قبلہ مفتی صاحب نے جدید دور کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے عربی، فارسی عبارات کے اردو ترجمہ اور حوالہ جات کی تخریج کی طرح ڈالی اور اس کی خوبصورت اشاعت وطباعت کا اہتمام فرمایا، بحمدہٖ تعالیٰ اب تک اس کی چوبیس (۲۴) جلدیں

شائع ہو کر عالمِ اسلام سے خراج محبت و تحسین حاصل کر رہی ہیں حضرت مفتی صاحب کا یہ ایسا کارنامہ ہے جس پر آنے والی نسلیں فخر کر سکیں گی۔

ذالک فضل اللّٰہ یؤتیه من یشاء واللّٰہ ذوالفضل العظیم.

این سعادت بزور بازو نیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ

وفات:

حضرت علامہ مولانا مفتی اعظم پاکستان مورخہ ۲۷/ جمادی الاخریٰ ۱۴۲۴ھ بمطابق ۲۶/ اگست ۲۰۰۳ء بروز منگل بعد از نمازِ مغرب اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ بروز بدھ ۲۸/ جمادی الثانی ۱۴۲۴ھ۔ ۲۷/ اگست ۲۰۰۳ء، عتیق سٹیڈیم نزد بادشاہی مسجد لاہور میں پچاس ہزار سے زائد علماء و مشائخ پاکستان کے علاوہ ہزاروں لوگوں نے مولانا شاہ احمد نورانی کی اقتداء میں نمازِ جنازہ پڑھنے کی سعادت حاصل کی جبکہ پانچ بجے جامعہ نظامیہ رضویہ شیخوپورہ میں ہزار ہا لوگوں نے استاذ العلماء حضرت علامہ سید حسین الدین شاہ صاحب کی اقتداء میں نمازِ جنازہ ادا کی اور بعد نمازِ عصر آپ کو جامع مسجد کے جنوبی مینار کے زیر سایہ مزارِ اقدس میں اتار دیا گیا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے درجات کو بلند فرمائے اور ہمیں آپ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین! ثم آمین.

تحریک نظامِ مصطفٰی اور استاذ العلماء
مفتی محمد عبد القیوم ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ

مارچ ۱۹۷۷ء کے انتخاب میں جناب ذوالفقار علی بھٹو نے جب دھاندلی سے کام لیتے ہوئے پیپلز پارٹی کو کامیابی سے ہمکنار کیا تو قومی اتحاد پاکستان نے ۱۴ مارچ ۱۹۷۷ء کو تحریک چلانے کا اعلان کر دیا اور دیکھتے ہی دیکھتے تحریک نظام مصطفٰی نے پورے ملک کو اپنی لپیٹ میں لے لیا، ہٹلر، میسولینی، لارڈ ڈلہوزی، اور میجر ہڈسن ایسے ظالم ترین انگریزوں سے بھی اس نے بازی لے جانے کی کوشش میں سبھی کچھ داؤ پر لگا دیا۔ لاٹھی، گولی، اشک آور گیس کے شل، پولیس، فیڈرل سیکورٹی فورس، جانباز فورس، مجاہد فورس، حتیٰ کہ فوج اور عوامی مارشل لاء کے علاوہ پالتو غنڈے، کنجر، طوائفیں اور تمام کمینی طاقتیں پاکستان کے غیور مسلمانوں پر چڑھا دیں عورتیں، بچے، بوڑھے، نوجوان، طلباء، وکلاء، علماء پروانہ وار عشقِ مصطفٰی کا مظاہرہ کرنے لگے۔

تحریک نظام مصطفٰی کی کامیابی کے لئے آگ اور خون کے دریا سے گزرنا ان کے لئے ایک کھیل سا بن گیا، پکڑ دھکڑ کے باعث ملک بھر کی جیلیں ناکافی ہوگئیں، قید وبند کی صعوبتوں کے باوجود تحریک گلی بازاروں سے لیکر جیلوں کی سلاخوں کے اندر تک چلنے لگی۔ لطف کی بات ہے کہ جیل کے محافظ از خود تحریک کے حامی و مددگار بننے لگے تو ان پر بھی تشدد کے دروازے کھول دیئے گئے۔ مگر تحریک کچھ اس انداز سے چل رہی تھی کہ ہر نیا سورج اس ظالم کے ہر ایک حربے کو ناکام بناتا ہوا غروب ہوتا، پورے پاکستان میں ہر چھوٹے بڑے شہر اور قصبے یہاں تک کہ گاؤں گاؤں، قریہ قریہ، بستی بستی

تحریک سے مسحور ہوتی گئی، کراچی، لاہور، ملتان، حیدر آباد، سیالکوٹ، فیصل آباد، گوجرانوالہ، راولپنڈی، اسلام آباد اور پشاور خصوصی طور پر تحریک کے مرکز بنائے گئے، چنانچہ تحریک نظام مصطفےٰ میں لاہور کا کردار حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ کی قائدانہ صلاحیتوں کا منہ بولتا ثبوت ہے جو ہر غیرت مند لاہوری پر واضح ہے، اہل سنت وجماعت کی عظیم الشان مرکزی درس گاہ جامعہ نظامیہ رضویہ کے مدرسین وطلباء کرام نے جس جانفشانی و جانثاری کا مظاہرہ کیا اس میں حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ کی خصوصی تربیت کارفرما تھی، یوں تو جامعہ نظامیہ رضویہ کا وجود ہی عملاً اس پاکیزہ نظام کا مرہون منت ہے جس کی خاطر ملک وملت کا ہر فرد پیہم قربانیاں دیتا آرہا ہے مگر عملاً مملکت پاکستان کو اس نظام کے تحت چلانے کی کسی بھی حکمران نے کوشش نہیں کی اور نوبت بایں جارسید کہ حکمران طبقہ اسلام سے مذاق پر اتر آیا، انتخابات کے دوران دو قسم کے نعرے گونجنے لگے۔ (۱) طاقت کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ (۲) طاقت کا سرچشمہ عوام ہیں۔

اس بنیادی فرق نے واضح کر دیا کہ سرزمین پاک کو بڑی تیزی سے دہریت کی ناپاکی سے پلید کیا جا رہا ہے تو غیرت خداوندی نے اپنی معمولی سی طاقت کا مزا چکھانے کے لئے عاشقان مصطفےٰ کو سڑکوں پر آنے کا سرفروشانہ جذبہ مرحمت فرما دیا، جیسے ہی پاکستان قومی اتحاد کے قائدین نے تحریک نظام مصطفےٰ کا اعلان کیا لوگ فوج در فوج، خاص و عام میدان عمل میں کود پڑے اس جہاد میں جامعہ کے اساتذہ وطلباء نے حضرت ناظمِ اعلیٰ مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی علیہ الرحمہ کے فرمان پر تن من دھن کی بازی لگا دی۔

یہ تحریک ۱۴؍ مارچ ۱۹۷۷ء سے لے کر ۵؍ جولائی ۱۹۷۷ء تک مسلسل ۲۲ روز تک بڑی شان وشوکت سے جاری رہی، آپ یہ پڑھ کر حیران ہوں گے کہ حضرت مفتی اسلام اور اساتذہ کرام نے اس ابتلاؤ آزمائش کے دنوں میں بھی اسباق کا ناغہ نہیں ہونے دیا، حضرت مفتی صاحب اور مدرسین دوران تحریک اپنے تعلیمی فرائض سے باحسن وجود عہدہ برآ ہونے کے ساتھ ساتھ بڑے بڑے تحریکی جلوسوں کی رونق بڑھاتے رہے جنہیں دیکھ کر خاص وعام اور لیڈر حضرات دم بخود تھے، یوں تو جامعہ کا ہر مدرس اور ہر ایک طالب علم تحریک نظام مصطفیٰ کا حصہ بنا مگر بعض مدرسین اور طلباء خصوصی طور پر پیش پیش رہے جن میں اولیت کا شرف حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ کو حاصل ہے۔

تحریک نظام مصطفیٰ کے شروع ہوتے ہی مدرسین وطلباء کو آپ نے اسے کامرانی سے ہمکنار کرنے کی سختی سے ہدایت فرمائی اور خود بھی میدانِ عمل میں ایک غیرت مند مجاہد کی حیثیت سے شامل رہے، بھٹو صاحب نے جب عوامی مارشل لاء نافذ کیا تو شہریوں کا اپنے گھروں سے باہر نکلنا دوبھر ہو گیا تھا مگر اس انتہائی نازک مرحلہ میں آپ باقاعدہ جامعہ سے گھر اور گھر سے جامعہ کرفیو کے باوجود آتے جاتے رہے بڑی بصیرت اور فراست سے جامعہ کے انتظام کی نگہداشت فرمائی، مدرسین وطلباء کے کردار سے ہر روز ایک نیا جذبہ اور تازہ ولولہ پاتے اور پھر مزید ہدایات سے نوازتے، طلباء کرام اور مدرسین نے تحریک نظام مصطفیٰ میں جو سرفروشانہ کردار سرانجام دیا وہ آپ ہی کی اعلیٰ تربیت کا ثمرہ اور من وجہ وہ آپ ہی کا کردار تھا۔ تحریک نظام مصطفیٰ کے لئے علمائے اسلام نے جو فتویٰ جاری فرمایا اس پر آپ نے بھی دستخط فرمائے۔ لاہور

میں انارکلی اور مسلم مسجد تحریک نظام مصطفےٰ کا مرکز بن چکی تھی اس میں جامعہ نظامیہ رضویہ کے طلباء و مدرسین پولیس اور دیگر فورسز کی گولیوں سے بڑی تعداد میں زخمی ہوئے تو جامعہ نظامیہ رضویہ میں ایمرجنسی ہسپتال قائم کر دیا گیا جہاں طلباء و مدرسین کے لئے مرہم پٹی کے علاوہ ادویات کا اعلیٰ انتظام تھا، باقاعدہ تجربہ کار ڈاکٹر کی خدمات حاصل کی گئیں، جو طالب علم زیادہ زخمی ہوتا اسے شہر کے دیگر ہسپتالوں میں لے جایا جاتا۔

مفتی صاحب علیہ الرحمہ کی سرپرستی میں جو تحریکی مدرسین وطلباء زخمی ہوئے ان کے تفصیلی کارنامے تو آپ اس زمانہ میں شائع ہونے والی راقم السطور کی کتاب ''تحریک نظام مصطفےٰ میں جامعہ نظامیہ کا کردار'' ملاحظہ فرمایئے گا، البتہ ان مجاہدین و غازیان تحریک کے نام درج کئے جاتے ہیں جو جامعہ کے ہنگامی ہسپتال میں زیر علاج رہے۔

حضرت مولانا غلام فرید ہزاروی مدظلہ، حضرت مولانا محمد صدیق ہزاروی مدظلہ، حضرت مولانا حافظ محمد عبدالستار سعیدی مدظلہ، حضرت مولانا محمد رشید نقشبندی رحمۃ اللہ تعالیٰ، حضرت مولانا قاری نذیر احمد قادری مدظلہ، حضرت مولانا سیف الرحمٰن چترالی مدظلہ، حضرت مولانا محمد جعفر ضیائی صاحب، مولانا حافظ عبدالرشید شاہ صاحب، مولانا محمد حنیف صاحب کشمیری، مولانا حافظ محمد اعظم صاحب، مولانا ظہور احمد صاحب، مولانا حافظ عاشق حسین شاہ صاحب، مولانا حافظ عبدالخالق اعوان صاحب، مولانا حافظ محمد حلیم صاحب، مولانا حافظ محمد یوسف قاسمی صاحب، مولانا حافظ محمد خان سیالکوٹی صاحب، مولانا محمد یونس چکوالی، مولانا محمد احسان اللہ ہزاروی۔

اس سے آپ اندازہ لگا لیں کہ حضرت مفتی صاحب نے اپنی سرپرستی میں تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے کیسے کیسے مجاہد پال رکھے تھے، مولیٰ تعالیٰ حضرت کے درجات کو بلند فرمائے اور پاکستان کو نظام مصطفٰے کی دولت عظیم مرحمت فرمائے۔

آمین! ثم آمین

نوٹ:

قارئینِ کرام! یہاں تک آپ نے حضرت قبلہ مفتی اعظم علیہ الرحمۃ کی ان خدمات کو ملاحظہ فرمایا جو آپ نے تاحیات سرانجام دیں، اب ان کے وصال فرما جانے کے بعد ان کے جانشین حضرت مولانا علامہ مفتی محمد عبد المصطفٰے ہزاروی مدظلہٗ ناظمِ اعلیٰ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور، شیخوپورہ، ایبٹ آباد وغیرہ کی سرپرستی و نظامت میں ترقی ہو رہی ہے اس کی روئیداد بھی عنقریب کتابی صورت میں پیش کی جا رہی ہے۔ انشاء اللہ العزیز

تابش قصوری

جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور / شیخوپورہ پر ایک نظر

افتتاح: بدست محدث اعظم پاکستان حضرت علامہ ابوالفضل مولانا سردار احمد قادری علیہ الرحمہ............ 1956

تاسیس: بدست استاذ الاساتذہ شیخ الحدیث حضرت علامہ مولانا غلام رسول رضوی علیہ الرحمہ............ 1956

مفتی اعظم پاکستان حضرت علامہ مولانا مفتی محمد عبد القیوم ہزاروی علیہ الرحمہ نے چارج سنبھالا............ 1962

لاہور میں نئی تعمیر کا آغاز............ 1972

دورہ حدیث کا اجراء............ 1974

توسیع کے لئے جگہ کی تلاش کا آغاز............ 1982

جامعہ نظامیہ رضویہ شیخوپورہ کے لئے 40 کنال کی رجسٹری............ 1985

تعلیم کا آغاز (کچی عمارت بنا کر)............ 1988

شیخوپورہ میں نئی عمارت کا آغاز............ 1992

جامع مسجد رضا کا سنگ بنیاد............ 1995

درسِ نظامی کا آغاز............ 1996

مدرسۃ البنات کی تعمیر کا آغاز............ 1998

تعلیم کا آغاز............ 2000

جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور میں نئی دو منزلہ لائبریری کی تعمیر وافتتاح............ 2006

جامعہ نظامیہ رضویہ شیخوپورہ میں ایڈمن بلاک............ 2008

تحفیظ القرآن بلاک کا آغاز............ 2009

جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور کے ساتھ متصل بلڈنگ کی خریداری..........................2014

تعدادِ طلباء کے ارتقائی مراحل

تعداد	سال
24	1956
104	1958
200	1970
302	1979
461	1989
623	1990
764	1993
1007	1999
1237	2000
569	2001
2056	2002
2500	2003
3000 سے زائد	2006
5000 سے زائد	2007
6000 سے زائد	2009
7000 تقریباً	2014

تعداد فضلاء دورۂ حدیث کے ارتقائی مراحل

1975	8
1984	10
1985	21
1995	35
1997	58
2002	63
2003	93
2004	120
2006	121
2007	190
2008	164
2009	179
2010	189
2011	208
2012	277
2013	218
2014	255

تعداد اساتذہ میں ترقی

2	1956
12	1970
21	1982
30	1990
41	1998
50	2000
61	2003
72	2006
80	2007
100 سے زائد	2009
200 تقریباً	2014

فارغ التحصیل ہونے والوں کی تعداد 2014ء تک

علماء کرام	3219	بشمول امسال 255
قراء عظام	1489	بشمول امسال 35
حفّاظ کرام	2237	بشمول امسال 86

اجمالی سوانحی خاکہ

مفتیٔ اعظم پاکستان فقیہ ملّت، حضرت علامہ مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ

ولادت.............................29 شعبان 1352ھ 28 دسمبر 1933ء

مقامِ ولادت.............................میرا کلاں

وطن اصلی سے نقل مکانی.............................1940ء

آغاز تحصیل علم دین.............................1943ء

محدث اعظم علیہ الرحمہ کے دست مبارک پر شرفِ بیعت.............................1953ء

تکمیل علوم ودورۂ حدیث.............................1955ء

آغازِ تدریس.............................1955ء

جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور میں آمد.............................1956ء

بطورِ ناظمِ اعلیٰ ذمہ داری سنبھالی.............................1962ء

جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور کی نئی عمارت کا آغاز.............................1972ء

دورۂ حدیث کا آغاز.............................1974ء

تنظیم المدارس کے ناظمِ اعلیٰ کی ذمہ داری.............................1974ء تا 2001ء

(28 سال میں 9 مرتبہ بلا مقابلہ انتخاب)

پہلا دورۂ برطانیہ اور سعادتِ حج.............................1988ء

دوسرا دورۂ برطانیہ اور سعادتِ عمرہ.............................1996ء

صدر قذافی کی دعوت پر لیبیا میں محفل میلاد النبی ﷺ میں شرکت.............................1998ء

تنظیم المدارس کی صدارت.............................2001ء

وصال.......................................26 اگست 2003ء

عمر مبارک.......................................70 سال 7 ماہ 29 دن

زمانہ تعلیم و تحصیل.......................................12 سال

زمانہ تدریس.......................................49 سال تقریباً

باقی بچپن کا زمانہ.......................................9 سال

تاریخی جائزہ

دار العلوم جامعہ نظامیہ رضویہ کے احوال وکوائف

پیرایۂ آغاز:

بر صغیر (پاک وہند) میں انگریز نے جب اپنی عیاریوں سے پورے طور پر قدم جما لئے تو اسے محسوس ہوا کہ مشرقی قومیں خصوصاً مسلمان سخت قسم کے مذہبی جذبات سے سرشار ہیں اور اپنی قومی روایات اور اسلاف کی عزت وناموس کی بقا کے لئے جان دینے سے بھی دریغ نہیں کرتے چنانچہ ۱۸۵۷ء کی جنگ انہی جذبات کی آئینہ دار تھی جس میں مسلمان پیش پیش رہے۔

اس جنگ پر قابو پا لینے کے بعد برٹش گورنمنٹ کا وہ احساس اور زیادہ قوی ہو گیا اور انہیں فکر ہوئی کہ مسلمانوں کو اسلاف کے نقشِ قدم سے ہٹا کر ایک نئی راہ پر لگا دینا چاہئے تاکہ ان کی مذہبی روح مردہ ہو جائے کیونکہ جب تک یہ اسلاف سے وابستہ رہیں گے دین کی خالص روح ان کے دل ودماغ میں رچی بسی رہے گی اور ان کا ملّی شعور ہمیشہ بیدار رہے گا جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ جب بھی ان کے مذہبی امور میں کسی قسم کی مداخلت ہوگی سر پر کفن باندھ کر پھر میدانِ عمل میں نکل کھڑے ہوں گے، ان کے ایمانیات وروحانیات کا حقیقی سرچشمہ کتاب وسنت ہے جس سے براہِ راست کسی طرح نہیں کٹ سکتے ان کا مذہبی جوش ختم کرنے کا واحد ذریعہ یہی ہے کہ اسلاف سے ان کا رشتہ کاٹ دیا جائے اور اس رشتہ کو کاٹنے کے لئے نظامِ تعلیم کو کچھ اس طرح سے بدل دیا جائے کہ جس قدر جلد ممکن ہو مسلمانوں کی زبان انگریزی ہو جائے تاکہ وہ انگریزی طریق پر سوچنے سمجھنے لگیں۔ اس ذہنی تبدیلی کا واحد نتیجہ یہ ہوگا

کہ برصغیر میں انگریزی حکومت کی جڑیں پاتال تک مضبوط ہو جائیں گی۔

اس کام کے لئے انگریز کو بعض لوگ بڑی آسانی سے مل گئے، انہوں نے آئمہ دین، سلف صالحین کی تصریحات کے خلاف سوادِ اعظم سے الگ ہو کر دین کو مسخ کرنا شروع کیا، قرانِ کریم کی تفسیر بالرائی میں نہ صرف اقوالِ آئمہ وآثارِ صحابہ بلکہ احادیثِ نبویہ کے برعکس ایک نئی راہ نکال لی حتیٰ کہ دینی مدارس کی شان وشوکت کو پائمال کرنے کے لئے جدید ترین ادارے قائم کئے اور انگریز کے منصوبے کو کامرانی سے ہمکنار کرنے کے لئے تعلیماتِ اسلامیہ کو نشانہ بنا کر حقِ نمک ادا کیا۔

امام المجاہدین علاّمہ محمد فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ ''الثورۃ الہندیہ'' میں ارقام پذیر ہیں:

''انگریز نے تمام باشندگانِ ہند کو، کیا امیر، کیا غریب، چھوٹے بڑے، مقیم ومسافر، شہری، دیہاتی سب کو نصرانی بنانے کی اسکیم بنائی۔ ان کا خیال تھا کہ نہ تو کوئی مددگار، معاون نصیب ہو سکے گا اور نہ انقیاد و اطاعت کے سوا سرتابی کی جرأت ہو سکے گی۔ یہ سب کچھ اس لئے تھا کہ سب لوگ انہی کی طرح ملحد و بے دین ہو کر ایک ہی ملت پر جمع ہو جائیں اور کوئی بھی ایک دوسرے سے ممتاز فرقہ نہ رہ سکے۔ انہوں نے اچھی طرح سمجھ لیا تھا کہ مذہبی بنیاد پر حکمرانوں سے باشندوں کا اختلاف تسلط و قبضہ کی راہ میں سنگِ گراں ثابت ہو گا اور سلطنت میں انقلاب پیدا کر دے گا اس لئے پوری جانفشانی اور تندہی کے ساتھ مذہب وملّت کے

مٹانے کے لئے طرح طرح کے مکر و حیلہ سے کام لینا شروع
کیا۔انہوں نے بچوں اور نافہموں کی تعلیم اور اپنی زبان اور دین
کی تلقین کے لئے شہروں اور دیہات میں سکول قائم کئے۔پچھلے
زمانے کے علوم و معارف اور مدارس و مکاتب کے مٹانے کی
پوری کوشش کی۔''

اس اسکیم کے متعلق لارڈ میکالے کے یہ جملے کافی سند ہیں:

''ہمیں ایک جماعت ایسی بنانی چاہیے جو ہم میں اور ہماری
کروڑوں رعایا کے درمیان مترجم ہو،اور یہ ایسی جماعت ہونی
چاہیے جو خون اور رنگ کے اعتبار سے تو ہندوستانی ہو مگر مذاق
اور رائے،زبان اور سمجھ کے اعتبار سے انگریز ہو۔''

چنانچہ ۱۸۵۵ء میں کلکتہ سے پادری ای ایڈمنڈ نے تمام سرکاری ہندوستانی
عہدیداروں کے نام جو گشتی چٹھی بھیجی اس کے یہ جملے بھی بدیسی حکمرانوں کی اسلام
دشمنی کی منہ بولتی تصویر ہیں:

''برٹش راج میں تمام ہندوستان میں ایک عملداری ہوگئی ہے۔
تار برقی سے سب جگہ کی ایک خبر ہوگئی، ریلوے، سڑک سے
سب جگہ کی آمد و رفت ایک ہوگئی، مذہب بھی ایک چاہیے۔اس
لئے مناسب ہے کہ تم لوگ بھی عیسائی ایک مذہب ہو جاؤ۔''

پنجاب میں بھی اسلامی ثقافت،تمدن، معاشرت اور تہذیب و تعلیم کو ملیا میٹ
کرنے، ان کے غیر فانی نقوش مٹانے اور ان کے علوم و فنون کے مدارس کو تباہ و برباد

کرنے کی بے حد کوشش ہوئی چنانچہ ۱۸۵۷ء میں مسٹر آرنلڈ ڈائریکٹر سررشتہ پنجاب نے جو سب سے پہلی تعلیمی رپورٹ مرتب کی اس میں لکھا:

''معلّمی کا میدان مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے، مسلمان طلبہ کی تعداد بہت زیادہ ہے، ہندو طالب علموں کو بھی مسلم اساتذہ پر بے حد اعتماد ہے وہ اسلامی مدارس میں بڑی کثیر تعداد میں فارسی پڑھتے ہیں، اگر اس چیز کو اسی حالت میں چھوڑ دیا گیا تو حکومت کی تمام طاقت مسلمانوں کے ہاتھ میں آجائے گی۔ یہ ایسا میلان ہے جسے جلد روکنے کی ضرورت ہے۔''

برطانوی حکومت نے مسٹر آرنلڈ کی نصیحت پر عمل کیا چنانچہ اس کے چار برس بعد ۱۸۶۱ء میں کپتان فلر ڈائریکٹر سررشتہ تعلیم پنجاب وسرحد نے جب اپنی رپورٹ تیار کی تو اس میں لکھا:

''مسلمان اساتذہ بکثرت ان درس گاہوں میں ٹریننگ حاصل کر رہے ہیں ان کی کثرت بالکل واضح ہے، محکمہ میں تین سو چونتیس استاذ مسلمان ہیں، گیارہ ہندو اور چھ دوسرے فرقوں کے، ابھی اس نسبت کو مساوی کرنے کا موقع نہیں ملا۔ حلقہ انبالہ کے سوا دیسی زبانوں کی تعلیم ہر جگہ مسلم اساتذہ کے ہاتھ میں ہے۔ جب تک یہ استاد ہر دلعزیز ہیں ہم ان کی جگہ دوسری قوموں کے استاذ مقرر نہیں کر سکتے البتہ افسرانِ ضلع رفتہ رفتہ راستہ صاف کر کے تبدیلی کے امکانات پیدا کر سکتے ہیں، اور وہ

اس طرح ہوسکتا ہے کہ ہندوؤں کو ٹریننگ سکول میں جانے کا
شوق دلائیں اور جو سکول مسلم استاذوں کے تقرر پر زیادہ اصرار
نہ کریں وہاں ہندو استاذ تعین کئے جائیں۔''

یہ جملہ برامعنیٰ خیز ہے کہ ''جو سکول مسلم استاذوں کے تقرر پر زیادہ اصرار نہ کریں'' یہ جملہ مدارسِ اسلامیہ کے فیوض و برکات کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے کہ سکولوں اور کالجوں کا انگریز کے قبضہ وتصرف میں آجانے کے باوجود مسلم اساتذہ کی رضامندی کے بغیر کوئی غیر مسلم مدرس مقرر نہیں ہوسکتا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ انگریز کی سو سالہ حکومت نے مذہبی جذبات کو پائمال کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی، سرکاری سکولوں میں پھر بھی مدرسین کو ماسٹر صاحب پکارنے کی بجائے ''مولوی جی'' کے مقدس خطاب سے ہی پکارا جاتا رہا۔ دیہات میں یہ سلسلہ تو پاکستان بننے کے کئی سال بعد تک بدستور قائم رہا، دیہاتی مسلمان جب بچے کو سکول میں داخلہ کے لئے لے جانے لگتے تو دریافت کرنے پر یہی کہتے کہ ''بچے کو مدرسے میں داخل کرنے لے جاتا ہوں۔'' مدرسہ یہ کوئی انگریزی نام نہیں بلکہ یہ اپنے نام سے مدارس دینیہ کی عظمت کا پتہ دیتا تھا، آہستہ آہستہ کالے انگریز کی اسلام دشمنی نے اس مقدس نام کو بھولے بھالے دیہاتی مسلمانوں کے دل سے بھی نکال دیا مگر آفرین ان مقدس ہستیوں پر جنہوں نے ہر ابتلاء و آزمائش سے گزر کر بھی اس مقدس یاد کو نہ صرف اپنے سینے سے لگائے رکھا بلکہ پاکستان کے کونے کونے میں بے سرو سامانی کے عالم میں علوم وفنونِ اسلامیہ کے تحفظ کی خاطر مدارس قائم کئے اور ہر حکومت کی بے اعتنائی کے باوجود دارالعلوموں کا جال بچھا دیا۔

انگریزی حکومت نے علماءِ کرام کو اپنا ہمنوا بنانے کے لئے بے پناہ حربے استعمال کئے، کئی ان کے دامِ تزویر میں جا پھنسے مگر علماءِ حق نے انگریز کی ہر پیشکش کو حقارت سے ٹھکرا دیا۔ تاج العلماء مولانا محمد عمر صاحب النعیمی مرادآبادی علیہ الرحمۃ کا یہ واقعہ انگریز ذہنیت کو طشت از بام کر رہا ہے:

''غالباً ۱۹۶۴ء میں حضرت تاج العلماء دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور ضلع ساہیوال تشریف لائے، راقم کو شرفِ خدمت کا موقع ملا۔ باتوں باتوں میں حضرت اپنی آپ بیتی سنانے لگے کہ میں ایک دارالعلوم میں تدریس کی خدمت انجام دے رہا تھا، ان دنوں مجھے صرف اٹھارہ روپے ماہوار مشاہرہ ملتا تھا۔ ایک روز محکمہ تعلیم کی طرف سے کسی سکول میں اڑھائی صد روپے ماہوار مشاہرہ پر تقرری کی پیشکش کی گئی، معاشی حالت کے پیشِ نظر حضرت قبلہ صدرالافاضل فخرالاماثل مولانا حکیم سید محمد نعیم الدین صاحب مرادآبادی علیہ الرحمۃ نے ارشاد فرمایا: ''یک در گیر محکم گیر'' اور ساتھ ہی انگریز کی چالبازی سے آگاہ فرمایا چنانچہ اڑھائی صد روپے کی اس پیشکش کو پرِ کاہ کی بھی حیثیت نہ دی، کئی سال اٹھارہ روپے وظیفہ پر ہی وقت پاس ہوتا رہا، پھر تو اس ثابت قدمی اور اولوالعزمی پر انعاماتِ الٰہیہ کی انتہا ہوگئی۔''

۱۸۴۹ء میں پنجاب پر انگریزوں کا قبضہ ہوا، اس سے پہلے سکھ یہاں حکمران تھے ان کا دورِ حکومت خدا کا قہر تھا جو مسلمانوں پر نازل ہوا۔ ان کی چند روزہ حکومت

میں اسلامی ثقافت، تمدن، معاشرت اور تہذیب کو ملیامیٹ کرنے، ان کے غیر فانی نقوش مٹانے اور ان کے علوم وفنون کو تباہ و برباد کرنے کی بے حد کوشش ہوئی۔

مغلیہ دورِ حکومت میں لاہور کی ہر مسجد علوم وفنون کا مرکز بنی ہوئی تھی۔ مدرسہ، دارالعلوم کی جگہ جامعہ کا لفظ زبان زدِ عام تھا۔ مسجد وزیر خاں اور بادشاہی مسجد کے حجرے جو آج کل سیر گاہ کی شکل میں متشکل ہو چکے ہیں، جو اورنگزیب عالمگیر بادشاہ کے عہد سے طلباء کی علمی پیاس بجھانے میں معین و مددگار چلے آرہے تھے۔ حضرت سلطان عالمگیر علیہ الرحمۃ کو طلبائے کرام سے انتہائی محبت تھی۔ علماء وطلباء سے شفقت کا ریکارڈ آج تک قائم ہے۔ مدارسِ دینیہ کی سرپرستی ان کا محبوب ترین مشغلہ تھا اسی لئے تو تمام طلباء کے درجہ بدرجہ وظائف مقرر کر رکھے تھے چنانچہ مولانا محمد علم الدین سالک تحریر کرتے ہیں کہ:

> ''عالمگیر کو اشاعتِ تعلیم سے بڑی دلچسپی تھی، وہ دل کھول کر اس سلسلے میں روپیہ صرف کرتا، اس کے اکثر فرمان ملتے ہیں کہ جن میں اس نے صوبائی گورنروں کو بڑی تاکید کے ساتھ حکم دیا ہے کہ وہ اپنے علاقوں میں تعلیم کے لئے کوشش کریں، مدرسے بنائیں، دارالعلوم جاری کریں اور علماء کو مدد معاش دیں تاکہ دلجمعی کے ساتھ اپنے فرائض ادا کرسکیں۔''

مرآۃ احمدی کا مصنف لکھتا ہے کہ اورنگ زیب نے سرکاری خزانے پر یہ بوجھ ڈالا کہ ملک کے ہر طالب علم کو یومیہ دیا جائے اور تمام مملکت کے ہر حصے میں تعلیم پانے والوں کے نام اس علاقے کے سرکاری رجسٹروں میں درج ہوا کریں چنانچہ ہر طالب

علم کو اس کے درجے کے مطابق یومیہ ملتا۔ پہلے درجہ کے طالب علم کو ایک آنہ، دوسرے درجہ والے کو دو آنے اور آخری درجہ میں پڑھنے والے کو "آٹھ آنے" یومیہ ملا کرتے تھے۔ وہ طالب علم جو کسی خاص مضمون میں امتیاز حاصل کرنا چاہتا اسے "دس آنے" یومیہ مدد معاش کے طور پر ملا کرتے تھے۔ مسٹر این این لاء تاریخ فرح بخش کے حوالے سے اس کی مزید توضیح کرتا ہوا لکھتا ہے:

"اورنگ زیب میزان پڑھنے والے طلبہ کو ایک آنہ، منشعب پڑھنے والے کو دو آنے، شرح وقایہ اور فقہ پڑھنے والے کو آٹھ آنے روزینہ دیا کرتا تھا۔" [8]

صاحبِ مرآۃ احمدی اس قسم کی مدد معاشی پر مزید روشنی ڈالتا ہوا لکھتا ہے:

"حکومت خان دیوان صوبہ کے نام حکم صادر ہوا کہ چونکہ ممالکِ محروسہ کے تمام صوبوں میں یہ مقدس اور بلند فرمان نافذ ہو چکا ہے کہ ہر صوبہ میں مدرس مقرر کئے جائیں میزان سے لے کر کشاف تک کے طلبہ کو صدر الصدور یا صدر صوبہ کے استصواب رائے اور مدرسوں کی تصدیق سے اس صوبے کے خزانچی کی تحویل سے مدد معاش دی جائے اس لئے اس وقت احمد آباد، پٹن اور سورت میں تین مدرس اور احمد آباد میں پینتالیس طلبہ کا اضافہ کیا گیا ہے۔" [9]

عالمگیر کی ان کوششوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ چھوٹے چھوٹے قصبے بھی علمی مرکز بن گئے چنانچہ ۱۶۹۰ء میں جب کپتان الگزینڈر ہملٹن خلیج فارس سے ہوتا ہوا ساحل ہند پر

پہنچا اور وہاں سے سندھ کی سیر کے لئے آیا تو شہر ٹھٹھہ کے بارے اپنے تاثرات قلمبند کرتا ہوا لکھتا ہے:

''یہ شہر علومِ فقہ، فلسفہ، ریاضی اور دینیات کے لئے مشہور ہے۔
ان علوم میں لڑکوں کی تعلیم کے لئے یہاں تقریباً چار سو دار العلوم
ہیں۔''

جہانگیر نے تخت نشین ہونے کے بعد یہ حکم دیا کہ وہ مدارس جو کسمپرسی کی حالت میں پڑے ہیں ان کی مرمت کی جائے اور ان میں پھر سے درس و تدریس کا بندوبست کیا جائے چنانچہ تاریخ جانِ جہاں کا مصنف جو جہانگیر کا معاصر تھا لکھتا ہے کہ:

''وہ مدرسے جو گذشتہ تیس برس سے درندوں اور پرندوں کے
بسیرے بنے ہوئے تھے پھر سے آباد ہوئے، طلبہ جوق در جوق
ان میں داخل ہونے شروع ہوئے اور جو لوگ پڑھنا اور پڑھانا
مذہبی فریضہ سمجھتے تھے، دنیا سے الگ تھلگ ہو کر وہاں بیٹھ گئے اور
اطمینان کے ساتھ علوم وفنون کی اشاعت میں مشغول ہو گئے۔
پرانے مدرسوں کے ساتھ ساتھ نئے مدرسے بھی قائم ہوئے۔
نیز جہانگیر نے یہ حکم بھی نافذ کیا کہ جو شخص لاوارث مر جائے اس
کی جائداد سرکاری تحویل میں لے کر اس کی آمدنی سے خانقاہیں،
مدرسے، پُل اور سرائیں تعمیر کی جائیں۔''

بادشاہ کی اس توجہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہر شخص جو تھوڑا بہت بھی علم سے لگاؤ رکھتا تھا، درس دینے میں فخر محسوس کرنے لگا حتیٰ کہ شاعر بھی اس میں مشغول ہو گئے۔

ان تاریخی شواہد کے پیش کرنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ برصغیر (پاک و ہند) میں اسلامی دورِ حکومت کتنا بابرکت تھا اور شاہانِ اسلام کو علوم وفنونِ اسلامیہ کی ترویج و اشاعت سے کتنی گہری دلچسپی تھی۔ جگہ جگہ قرآن وحدیث، فقہ وتفسیر کی تعلیم کے لئے دارالعلوم قائم تھے۔ ایشیاء میں لاہور کو بغداد اور قرطبہ کا مقام حاصل تھا مگر غیر مسلم حکومتوں نے مدارسِ اسلامیہ کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کی ہر طرح کوششیں کیں، علماءِ کرام کو چن چن کر جامِ شہادت تک پلایا بعض کو قید و بند کی صعوبتوں سے دوچار کیا تو بعض کو اپنا ہمنوالہ وہم پیالہ بنانے کے لئے حرص وآز کا حربہ استعمال کیا مگر یہاں سے اسلام کو دیس نکالا دینے والے خود نکل کھڑے ہوئے، اسلامی آثار ونشانات کو مٹانے والے خود مٹ گئے۔

مٹے نامیوں کے نشاں کیسے کیسے

مدارسِ اسلامیہ کی گو وہ شان وشوکت نہ رہی تاہم درس نظامیہ کا مبارک سلسلہ بدستور کسی نہ کسی حالت میں قائم رہا۔ آج بھی ان دارالعلوموں کے رعب وجلال سے منافق خائف ہے اس عظیم طاقت سے دین کے دشمن نام نہاد مسلمان آج بھی لرزاں ہیں اور اندرونِ خانہ ان کی عظمت کو ختم کرنے کے پروگرام مرتب کرتے رہتے ہیں، نہ جانے یہ کب تک برسرِ پیکار رہیں اور حق و باطل کی یہ جنگ کب تک جاری رہے؟ خوش بخت ہیں وہ کریم النفس مسلمان جو اس اندھیر نگری اور الحاد و دہریت کے دَور میں دین کے ان کھیتوں کی بڑے خلوص سے آبیاری کر رہے ہیں۔

الغرض اسی عہدِ جہانگیر میں جب مدینۃ العلوم لاہور کی ہر مسجد، مکتب ومدرسہ اور دارالعلوم بنی ہوتی تھی۔ لوہاری منڈی کی عظیم الشان تاریخی مسجد ''خراسیاں'' سے

بھی قال اللہ اور قال الرسول کی روح پرور صدائیں سنائی دیتی تھیں جہاں آج علوم و فنونِ اسلامیہ کی امین، مشہور و معروف دینی درسگاہ ''جامعہ نظامیہ رضویہ'' تشنگانِ علم کو سیراب کر رہی ہے۔ یہاں تقریباً پونے چار سو سال پہلے بھی ایک دارالعلوم کے آثار تاریخ کے صفحات میں پائے جاتے ہیں۔ انقلابات نے جہاں مدینۃ العلوم لاہور کے بے شمار نوادرات کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا اسی طرح اس درس گاہ کو بھی نہ چھوڑا۔

تاہم آج بھی جامع مسجد خراسیاں اس دارالعلوم کی منہ بولتی تصویر ہمارے سامنے شاہدِ عادل ہے۔ تاریخی شواہد سے پتہ چلتا ہے کہ مسجد خراسیاں ۱۰۱۵ھ/۱۶۰۶ء میں بزمانہ جہانگیر صدر جہاں نے بنوائی۔ یہ وہی ''میراں صدر جہاں'' ہیں جن سے شہزادگی کے زمانے میں جہانگیر نے چہل حدیث پڑھی تھی۔ جہانگیر نے بعد میں ان کو صدارت کل کا عہدہ اور دو ہزاری منصب دیا تھا صدر جہاں بہت مخیّر تھے۔ ایک سو بیس سال عمر پا کر ۱۰۲۰ھ/۱۶۱۱ء میں فوت ہوئے۔[۱۳]

مسجد کی سیڑھیوں میں سرخ پتھر کی ایک سل پر مندرجہ ذیل کتبہ خطِ نستعلیق میں کندہ ہے جس کے حروف ابھرے ہوئے ہیں:

اللہ اکبر

کریمی سیدی صدرِ جہانی ملجأ عالم
کہ درِ عہدِ جہانگیری شدہ ایں بقعہ را بانی
خلیل آسا بتوفیقِ خدا اندر عجم کردہ
بناء خانۂ دیں بہر ترویجِ مسلمانی

چوں شانِ کعبہ دارد مسجدِ او بہرِ تارخش
مکن عیبم اگر گویم بنا شد کعبۂ ثانی

۱۰۱۵ھ

انقلابِ زمانہ سے یہ مسجد بھی خستہ ہوگئی تھی۔ اہلِ محلّہ نے چندہ کر کے پرانی بنیادوں پر ۱۳۴۳ھ/۱۹۲۴ء میں اس کی تجدید کی اور پرانا پتھر سیڑھیوں میں لگا دیا گیا۔ سکھوں کے عہد میں یہاں مدرسہ قائم تھا جس میں قرآن وحدیث کا درس ہوتا تھا۔[۱۴]

جامع مسجد خراسیاں میں جہاں سکھوں کے عہد میں مدرسہ قائم تھا، قرآن و حدیث کا درس ہوتا تھا اس سے ملحق ایک قطعہ زمین ہے جسے کل تک ''باغیچی نہال چند'' کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ آج ''جامعہ نظامیہ رضویہ'' کے مقدس نام سے پکارا جاتا ہے۔ اسے دیکھ کر ایک دور اندیش مسلمان کا ذہن اس طرف متبادر ہوتا ہے کہ جب مسجد میں قرآن وحدیث کا مدرسہ قائم تھا اور بانی مسجد ''میراں صدر جہاں'' ایک مخیّر اور صاحب علم ومنصب تھے تو اس میں طلباء کی ہمہ وقتی موجودگی لازمی ہوگی اور قریب ہی طلباء کی رہائش کا خاطر خواہ انتظام ہوگا۔ مگر یہاں سکھ گردی نے لاہور کی تاریخی مساجد اور مدارسِ اسلامیہ کو اپنے ظلم کا نشانہ بنایا اسی طرح کھڑک سنگھ نامی سکھ نے قرآن و حدیث کی اس درس گاہ پر بھی اپنا دستِ استبداد بڑھایا، درس گاہ کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور مزید برآں اس جگہ کو گھوڑوں کا اصطبل بنایا بعد ازاں وہ جگہ برباد ہو کر ملبہ کا ڈھیر ہوگئی حتی کہ انگریزی دور آنے پر نرسنگھ داس ہندو نے اس کو دوامی پٹہ پر حاصل کر کے اس رقبہ سے ملبہ وغیرہ دور کر کے اپنے باپ نہال چند کے نام پر اس کا نام باغیچی

نہال چندر کھا چنانچہ جامعہ نظامیہ رضویہ کی جدید عمارت کی جب بنیادیں کھودی جا رہی تھی تو ایک تالاب کے آثار نمودار ہوئے، غالبًا وہ مسلمانوں کے زمانہ میں پانی کا حوض ہوگا جو نمازیوں کے علاوہ طلباء کی ضروریات کے پیشِ نظر بنایا گیا ہوگا۔

جامعہ نظامیّہ رضویہ

مدینۃ العلوم لاہور میں مرکزی دارالعلوم جامعہ نظامیہ رضویہ کی بنیاد شوال المکرّم ۱۳۷۶ھ مئی ۱۹۵۶ء کو تاریخی مسجد خراسیاں میں بے سروسامانی کے عالم میں رکھی گئی، حضرت محدث اعظم پاکستان استاذ العلماء مولانا الحاج ابوالفضل محمد سردار احمد چشتی قادری رضوی علیہ الرحمۃ شیخ الحدیث جامعہ رضویہ لائل پور (فیصل آباد) نے ہدایہ شریف کے سبق سے افتتاح فرمایا۔ حضرت العلام مولانا غلام رسول صاحب مہتمم و صدر مدرس اور مولانا علامہ ابوسعید محمد عبدالقیوم صاحب ہزاروی علیہ الرحمہ مدرس اور ناظم مقرر ہوئے۔

جامع مسجد خراسیاں کے متصل باغیچی نہال چندان دنوں اوباش قسم کے لوگوں کا اکھاڑہ بنی ہوئی تھی، چرس، شراب اور دوسرے جرائم کی یہ آماجگاہ ان کے ناجائز تصرف کی منہ بولتی تصویر تھی، اہلِ محلّہ کے لئے یہ اخلاقی جرائم ایک کلینک کے ٹیکہ کی حیثیت رکھتے تھے مگر چرسیوں اور شرابیوں کو للکارنا کسی کے بس کا روگ نہیں تھا، مدافعت کی جرأت کرتے تو کیسے؟ بعض افراد کے لئے تو اپنے مخصوص مقاصد کے پیشِ نظر باغیچی دلچسپی کا مرکز بن چکی تھی اور اس کے مالکانہ حقوق کے لئے درپردہ کوششیں بھی جاری کئے ہوئے تھے کیونکہ ایسی مرکزی جگہ جس کا رقبہ دو کنال سترہ مرلہ تھا، مفت میں ہاتھ لگ جانا کوئی معمولی بات نہ تھی۔

ادھر بوریا نشین، مسجد کی چٹائیوں پر بیٹھے قرآن و حدیث کے درس میں مست، اس شیطانی اڈہ کو مسلمان بنانے کے تصور سے سرشار تھے مگر عملی جامہ پہنانا جوئے شیر

لانے کے مترادف تھا تاہم توکلاً علی اللہ ان نہتے مجاہدین نے جہاد میں قدم رکھ دیئے۔

حضرت مولانا علامہ غلام رسول صاحب علیہ الرحمہ نے اپنی مساعیٔ جمیلہ سے اس علاقہ کے بعض نیک دل حضرات کو دارالعلوم کی اہمیت سے آگاہ کیا پھر انہی کی وساطت سے باغیچی نہال چند کے ان ناجائز قابضین کو دینی و مذہبی ادارے کی برکتوں سے مستفیض ہونے کی دعوت دی۔ چھ ماہ کی پرخلوص جدوجہد نے اپنا رنگ دکھایا اور دارالعلوم کے اوقاتِ تعلیم کے لئے مدرسین وطلباء کرام باغیچی کے مشرقی جانب ایک خالی اور کھلے حصہ میں اپنا مسندِ درس بچھانے پر کامیاب ہو گئے۔ باوجودیکہ محلّہ کا ایک با اثر ٹولہ اپنے مخصوص انداز میں دارالعلوم کو ختم کرنے اور علماءِ کرام کو نکل جانے پر مجبور کر رہا تھا۔

الحاد و دہریّت کے اس نازک دَور میں کسی بھی اسلامی اور مذہبی ادارہ کے کوائف و احوال معلوم کریں تو یہی پتہ چلے گا کہ اس کی ابتداء انتہائی بے سروسامانی کے عالم میں ہوئی، ابتدائی مراحل طے کرنے میں طرح طرح کی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، مصائب و آلام کے پہاڑ ٹوٹے، ناگفتہ بہ حادثات سے گزرنا پڑا۔ ایسے دیگر دردناک الفاظ سے تصویر کشی کی گئی ہوگی جن میں ہوسکتا ہے مبالغہ سے کام لیا گیا ہو مگر دارالعلوم جامعہ نظامیہ رضویہ کو جس ابتلاء و آزمائش سے گزرنا پڑا اس کی روئیدادِ الم کے تاریخی شواہد کا مطالعہ کرتے ہوئے بلا مبالغہ اعتراف کرنا پڑا ہے کہ اس جامعہ کی پوری تاریخ ایثار و قربانی اور مسلسل جدوجہد سے عبارت ہے۔ ابتدائی دو سال تو انتہائی اہمیت کے حامل ہیں، اگر ان دو سالوں میں علماء، مدرسین اور طلبائے کرام ایثار و قربانی سے کام نہ لیتے تو آج جامعہ کا وجود تک نظر نہ آتا۔ ان میں علماء وطلباءِ کرام نے یہ

فیصلہ کرنا تھا کہ ہم اس بے سروسامانی کے عالم میں مدرسہ قائم رکھ سکتے ہیں یا مخالفین سے مرعوب ہو کر راہِ فرار اختیار کرتے ہیں کیونکہ مشکلات نے چاروں طرف سے گھیراؤ کر رکھا تھا۔ ایک طرف مدرسہ کے اخراجات کے حصول کا سوال تھا تو دوسری طرف طلباء و مدرسین کی رہائش و اقامت کا مسئلہ درپیش تھا۔ اس پر طرہ یہ کہ مقامی غنڈہ گردی کے باعث طلباء و مدرسین کو درس گاہ تک پہنچنا محال ہو گیا تھا۔ ادھر استاذ العلماء مولانا غلام رسول کی علمی اور فنی شہرت کی وجہ سے طلباء کی تعداد میں دن بدن اضافہ ہوتا جا رہا تھا، ان کے طعام و قیام کا خیال بھی دامن گیر تھا، موسم نے بھی اپنا رنگ دکھانا شروع کر دیا۔ مئی جون کی گرمی، جولائی اگست کی بارش، دسمبر جنوری کی خنک، مرطوب ہوا کا برداشت کرنا، مدرسین کے مشاہرہ کے علاوہ ان کے لئے اقامت گاہیں جہاں رات کو قدرے آرام کر سکیں، کتب کی فراہمی، ایسے دیگر مسائل بھی فوری حل کے متقاضی تھے، یا یوں کہئے کہ معلم و متعلم تو موجود تھے مگر اس بھرے محلّہ میں تعلیمی لوازمات کا فقدان تھا مثلاً جگہ، کتب، سرمایہ، بجلی و پانی کی محرومی کے علاوہ بعض اہلِ محلّہ کے مظالم نے آمد و رفت تک کو مخدوش بنا دیا تھا گویا کہ روشنیوں کے سمندر میں روشنی سے محروم، راوی کے کنارے رسولِ اکرم ﷺ کے مہمان پیاسے اور داتا کی نگری میں بے یار و مددگار تھے۔ اس کے باوجود ہمت بلند تھی۔ عزمِ صمیم کے ساتھ علوم و معارف کے خزانے لٹانے میں پیہم مصروف تھے۔ ناظم و مدرسین کی علو ہمتی، ایثار و قربانی، خلوص و للّٰہیت کی آئینہ دار تھی، زبان پر شکوہ و شکایت کا سوال ہی پیدا نہ ہونے دیا۔ اس ابتلاء کا اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب رسول ﷺ کے سوا کسی کو کیا علم تھا کہ یہ بندے اللہ تعالیٰ کے دین کی خدمت کے لئے کٹھن آزمائشوں سے گزر رہے ہیں۔

مستعمل سائبان:

مشکلات کا مقابلہ کرنا کوئی آسان بات نہیں ہوتی مگر مشن جتنا مقدس ہوتا ہے اتنی ہی دلچسپی سے اس کی کامیابی کے لئے تگ و دو کی جاتی ہے۔ اور یہاں تو تعلیم ایسا مقدس مشن تھا جو متاعِ زیست سے بھی عزیز تر تھا اس لئے معلّمین و متعلّمین کو دھوپ کی شدت کے اثرات سے بچانے کے لئے فوری طور پر سائبان کے حصول کے لئے کوشش کی گئی، چوہدری چراغ دین صاحب جو اپنے خاندان سمیت مدرسہ کے قیام میں تعاون کر رہے تھے۔ حضرت مہتمم صاحب کو ہمراہ لے کر میاں ظہور احمد صاحب مالک ظہور سنز سے ملے، انہوں نے ایک مستعمل سائبان عنایت فرما کر طلباء و مدرّسین کی دعائیں لیں۔ سائبان کے نیچے درسِ نظامی کی کلاسیں اور حفظ القرآن کے طلباء کی کلاس مسجد خراسیاں میں قائم کر دی گئی۔

کتب کی فراہمی:

طلباء و مدرّسین کے لئے کتب کا مسئلہ نہایت پیچیدہ تھا کیونکہ تعلیم و تعلم کے لئے کتب بنیادی حیثیت رکھتی ہیں۔ سرمایہ نہ ہونے کے باعث فوری طور پر کتابیں خریدنا جامعہ کے بس کی بات نہ تھی، اس مسئلہ کا حل یوں کیا گیا کہ کچھ کتابیں جامعہ رضویہ لائل پور (فیصل آباد) سے عاریۃً حاصل کی گئیں اور وقتی طور پر کچھ حضرت مہتمم اور ناظم صاحبان نے اپنی ذاتی کتب طلباء کے حوالے کر دیں۔ لطف کی بات یہ ہے کہ استاد اور شاگرد باری باری کتاب کا مطالعہ کر کے ایک دوسرے تک پہنچا دیتے اس طرح صبح تک سبق کی تیاری ہو جاتی، ساتھ ہی ساتھ حسبِ ضرورت کتب کی خریداری کی کوشش بھی جاری رہی۔

رہائش کا مسئلہ:

یہ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ جہاں طلباء و مدرسین کے طعام و قیام کا خاطر خواہ انتظام نہ ہو وہاں طلباء پوری دلجمعی کے ساتھ نہیں پڑھ سکتے اور نہ مدرسین ہی سکون و اطمینان سے اپنا فرض ادا کر سکتے ہیں اور یہاں یہ حالت تھی کہ طلباء کی رہائش گاہیں تو کجا وقتی طور پر دھوپ سے بچاؤ کے لئے کوئی کمرہ تک موجود نہ تھا، صرف مستعمل سائبان اور یہ درویش لازم وملزوم تھے مگر یہاں کی کیفیت کچھ اور رہی تھی جنہیں حصولِ علم کا شوق ہوتا ہے انہیں لوازمات سے زیادہ اسباق سے محبت ہوتی ہے۔ اگر اسباق حسب خواہش ہوں تو دور اندیش طلباء رہائش اور خورد ونوش کو کوئی خاص اہمیت نہیں دیتے اور یہاں اسی فارمولا کو اولیت حاصل تھی۔ اسباق پر پوری توجہ دی جاتی اور طلباء ایسے مطمئن تھے کہ اساتذہ کرام کے ساتھ وہ بھی ایثار پر تیار ہو گئے چنانچہ وہ طالب علم جو مختلف مساجد میں امامت کے فرائض انجام دیتے تھے، انہوں نے حسبِ گنجائش اپنے ساتھیوں کی رہائش کا انتظام اپنے ہاں کر لیا، باقی ماندہ مسجد خراسیاں ہی میں معتکف رہتے بعض طلباء اساتذہ کرام کے ہاں ہی مساجد میں رات بسر کرتے۔

۱۔ حضرت مہتمم صاحب جامع مسجد خراسیاں میں چند سالوں سے خطابت و امامت کے فرائض سرانجام دے رہے تھے اس لئے مسجد سے ملحقہ مختصر سے مکان میں بمعہ اہل و عیال گزر اوقات کرتے۔

۲۔ حضرت مولانا ابو سعید محمد عبدالقیوم صاحب ہزاروی ناظم جامعہ

پہلے پہل مسجد خراسیاں میں طلباء کے ساتھ ہی رات بسر کرتے رہے پھر آپ کے ایک ساتھی مولانا غلام مصطفیٰ صاحب جو اس وقت جامعہ کے طالب علم بھی تھے اور مسجد محلہ پیر گیلانیاں کے امام بھی تھے آپ کو اپنے پاس مسجد میں لے گئے، وہاں ایک چھوٹے سے حجرے میں دو تین سال تک راتیں بسر کیں۔

۳۔ قاری محمد حنیف صاحب مدرس شعبہ حفظ القرآن کو موچی دروازہ کے اندر ایک مسجد کی امامت سے سکون حاصل ہوا، انہوں نے درجہ حفظ کے بیرونی طلباء کو اپنے پاس شام کے وقت لے جانا معمول بنالیا۔

درس نظامی کے دوسرے مدرس مولانا حافظ محمد علی صاحب پسروری چند دن مولانا علامہ محمد عبد القیوم صاحب کے ساتھ مسجد محلّہ پیر گیلانیاں میں اقامت پذیر رہے، بعد میں جامع مسجد بیڈن روڈ کی خطابت سے سرفراز ہوئے تو وہ بھی چند طلباء سمیت وہاں منتقل ہو گئے، یوں عارضی طور پر طلباء کی رہائش کا انتظام ہوتا رہا۔

اور ادھر حضرت مہتمم صاحب باغیچی نہال چند کے شمال مغربی حصہ میں پرانے اور بوسیدہ تین کمروں کو قابل استعمال بنانے کے لئے اپنا اثر ورسوخ استعمال کرتے رہے آخر ایک سال بعد کمروں پر قابض ناپسندیدہ افراد کو وہاں سے نکالنے اور بعض حضرات کے تعاون سے کمروں کو دوبارہ تعمیر کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

طلباء کے لئے خورد و نوش کا انتظام

یہ امر کسی سے قطعاً مخفی نہیں کہ مدارس عربیہ میں مستقل اور یقینی آمدنی کی کوئی صورت نہیں نہ ان کی مستقل جائدادیں اور جاگیریں ہیں نہ حکومت کی امداد کی صورتیں ہیں، ان کی بقاء کا انحصار عوامی چندوں پر ہے، اگرچہ غیر یقینی حالت کو فطری طور پر علماء کی پریشانی کا موجب ہونا چاہئے لیکن یہ حضرات توکلاً علی اللہ استقلال سے مصروفِ عمل ہیں۔ زمانہ کی سختی گرمی انہیں جادۂ عمل سے متزلزل نہیں کرتی اور آمدنی کی غیر یقینی کیفیت ان کے پائے استقامت میں لغزش پیدا نہیں کرتی تاہم دینی ادارے جو اپنے ابتدائی مراحل طے کر چکے ہوں وہ باضابطہ طور پر طلباء کے طعام و قیام کا انتظام و انصرام کر لیتے ہیں۔ اگر کبھی کبھار خورد و نوش میں عارضی طور پر تعطل پیدا ہو بھی تو اس سے بآسانی نمٹ سکتے ہیں مگر یہاں کی تو ابتدائی کیفیت ہی عجیب تھی، قدم قدم پر امتحان، لمحہ لمحہ مشکلات کا نزول، دن بدن ابتلاء کا ورود، خورد و نوش کا باضابطہ انتظام ہوتا تو کیسے؟ ان ناگفتہ بہ حالات میں طلباء کو صرف آٹھ آنے (پچاس پیسے) یومیہ صبح و شام کی خوراک کے لئے دیئے جاتے جس سے دونوں وقت بھوک کی شدت کم کرتے۔

آفرین ان ایثار پسند طلباء کے جنہوں نے تصوف کی یہ کٹھن منزلیں عالی ہمتی سے طے کیں۔ آخر ان قربانیوں نے اپنا رنگ دکھایا اور جامعہ کے معاونین حضرات کی طرف سے آٹے کی سپلائی شروع ہو گئی۔

حضرت مہتمم صاحب اپنے گھر کھانا تیار کراتے اور بڑی شفقت سے طلباء کو کھلاتے، یہ سلسلہ بدستور کئی سال تک جاری رہا کیونکہ ابھی تک باغیچی میں طلباء و

مدرسین کے لئے کوئی پھول نہ کھلے تھے بلکہ قدم قدم پر کانٹے بکھرے پڑے تھے، انہیں اٹھنے بیٹھنے کے سوا کوئی اختیار حاصل نہ تھا بلکہ جب بھی کوئی شخص چاہتا طلباء و مدرسین کو پریشان کرنے چڑھ دوڑتا۔ اندریں حالات باقاعدہ طور پر باورچی کا رکھنا سخت مشکل تھا کیونکہ دارالعلوم کے وسائل اس بوجھ کے متحمل نہیں تھے۔

رہائش:

تقریباً ہر جگہ مدارسِ عربیہ میں داخل ہونے والوں کی اکثریت بیرونی طلباء پر مشتمل ہوتی ہے جبکہ درسیات کے مقامی طلباء کی تعداد نہ ہونے کے برابر ہوتی ہے صرف حفظ و ناظرہ یا ابتدائی دینیات کے لئے مقامی بچے ان مدارس سے استفادہ کرتے ہیں اس لئے ہر چھوٹے بڑے ادارہ کے ساتھ دارالاقامہ کا وجود لازم وملزوم کی حیثیت رکھتا ہے، پرانے زمانے میں مساجد کے ساتھ حجروں کا رواج تھا کیونکہ ہر مسجد مدرسہ کا کام دیتی تھی جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے کہ پونے چار سو سال پہلے جامع مسجد خراسیاں کے ساتھ بھی حجرے قائم تھے جو باغیچی نہال چند سے پہلے طلباء کے لئے دارالاقامہ کے طور پر استعمال ہوتے تھے اسی طرح جامعہ نظامیہ رضویہ کے مدرسین و طلباء کرام نے اسلاف کی یاد تازہ کرتے ہوئے ایک مسجد نہیں بلکہ لاہور کی کئی مساجد کے حجروں کو اپنا مسکن بنائے رکھا۔ وقت کے مطابق یہی غنیمت تھا کہ سر چھپانے کو جگہ مل جاتی اور جوں توں کر کے رات کٹ جاتی تاہم سکون و اطمینان سے درس و تدریس کا سلسلہ اس وقت تک قائم نہیں ہوسکتا جب تک دارالعلوم کے ساتھ رہائش کا خاطر خواہ انتظام موجود نہ ہو مگر جامعہ نظامیہ رضویہ کے طلباء و مدرسین اس معرکۃ الآراء مسئلہ میں

جس امتحان سے گزر رہے تھے اس کی کیفیت بیان سے باہر ہے۔ باغیچی کے خالی حصہ میں طلباء کا بیٹھنا مشکل بنا دیا گیا تھا۔ مداخلت کرنیوالے بلا تکلف کلاس میں داخل ہوتے اور طلباء کو درہم برہم کر دیتے ایسی صورت میں اقامت کا تو صرف نام ہی باقی تھا۔ پانی، غسل خانے، طہارت خانے اور لاہور ایسے گنجان شہر میں جہاں لیٹرین کا ہونا از بس ضروری ہے، یہاں بالکل انتظام نہ تھا، کون کرتا؟ لاچار غسل کے لئے تو مسجد کے غسلخانے کا سہارا ڈھونڈ نکالا جس سے کئی سال تک استفادہ جاری رہا۔

ناظم صاحب بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت مہتمم صاحب نے ایک چھوٹا سا بیت الخلاء تیار کرایا مگر اس پر اہلِ محلّہ اور بازار کے شرفاء نے قبضہ جمالیا۔ ان سے جان چھڑانے کی ایک ہی صورت نظر آئی وہ یہ کہ بیت الخلاء کو ختم کر دیا گیا۔

سرمایہ کی فراہمی:

جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ مدرسہ عربیہ کی بقاء کا انحصار عوامی چندوں پر ہے اور چندہ کی فراہمی کی مختلف صورتیں ہیں:

۱۔ ادارہ اپنی کارکردگی کے باعث اتنا نام پیدا کر چکا ہو کہ مخیّر حضرات خود بخود اس کے امداد و اعانت ارسال کریں۔

۲۔ حضرت مہتمم اور مدرسین کا ذاتی حلقہ اتنا وسیع ہو کہ اپنے حلقۂ اثر میں سے صاحبِ ثروت حضرات سے مالی تعاون حاصل کریں۔

۳۔ دارالعلوم کے طلباء کو زکوٰۃ و صدقات، فطرانہ اور چرمہائے قربانی کے وقت بطورِ سفارت اپنے اپنے علاقوں میں بھیجا جائے تاکہ کچھ نہ کچھ امداد جمع کر کے دارالعلوم لے جائیں۔

۴۔ دار العلوم کی طرف سے مستقل سفیر، وغیرہ۔

یہ تمام صورتیں اس وقت کارگر ہوتی ہیں جب کہ وہ ادارہ محتاجِ تعارف نہ ہو، اس کی شہرت دُور دُور تک پہنچ چکی ہو، اگر ان تمام امور پر جامعہ نظامیہ رضویہ کا اس وقت سے موازنہ کیا جائے تو کوئی بھی ایسی صورت نظر نہیں آتی جس سے سرمایہ کی فراہمی ہوسکتی۔ سفیر کے لئے جن خصوصیات کا حامل ہونا از حد ضروری ہے ان میں سے چند یہ ہیں کہ امین ہو، ایثار و قربانی کا مجسمہ ہو، بلند اخلاق، فنِ گفتگو سے واقف، تقریر، شستہ بیانی سے آراستہ ہو، مخیّر حضرات سے واقفیت رکھنے کے ساتھ ساتھ جرأت سے گفتگو کرسکتا ہوتا کہ مخاطب متاثر ہوکر اپنا حق ادا کرے مگر جامعہ کی انتظامیہ میں کوئی فرد بھی ایسا نہیں تھا، کیونکہ انتظامیہ تو صرف مہتمم، ناظم اور چند اساتذہ پر مشتمل تھی جو بنیادی طور پر فنِ تدریس سے ہی تعلق رکھتے تھے جن کا محبوب مشغلہ عوام سے الگ تھلگ طلباء کی تعلیم و تربیت تھا یا تخلیہ میں کتب کی رفاقت، ایسے مدرسین سے سفارت کی امید رکھنا بہت بعید تھا جن کا عوام سے رابطہ صرف واجبی سا ہو پھر تقریر کہاں اور سفارت چہ معنٰی دارد؟

ایک وجہ یہ بھی تھی کہ مدرسین کی نسبت سے اسباق بہت زیادہ تھے بناءً علیہ مدرسین شب و روز تدریسی فرائض کی انجام دہی میں پیہم مصروف تھے اور سفارتی امور کے لئے سفیر کے تعین کا مسئلہ بھی مالی حالات کی کمزوری کے باعث حل کرنا ناممکن تھا، گویا کہ جامعہ کی طرف سے عوامی رابطہ کی کوئی بھی صورت نہ تھی جس کو بروئے کار لاکر سرمایہ کی فراہمی کا بندوبست ہوسکتا تاہم جس ذاتِ کریم پر بھروسہ کرکے اس نیک کام

کوشروع کیا گیا تھا اسے جاری رکھنا بہر حال ضروری تھا اور اس عظیم ذمہ داری کو نبھانے کی دو ہی صورتیں تھیں:

۱۔ یہ کہ حسبِ ضرورت سرمایہ فراہم کیا جائے۔

۲۔ اخراجات کو سرمایہ کے مطابق کیا جائے۔

اکثر دینی مدارس میں دوسری ہی شق کو اختیار کیا جاتا ہے خصوصاً اہل سنت و جماعت کے مدارس میں یہی صورت کارفرما ہے۔ دینی خدمت کے بھرپور جذبہ سے تو مدارس جاری کر دیئے گئے مگر عوام سے دور رہ کر علماءِ کرام خود ہی قربانی کا بکرا بن جاتے اور پھر اللہ تعالیٰ کے سوا ان کے اس ایثار کا کسی کو علم تک نہ ہوتا۔

جامعہ نظامیہ رضویہ بھی اس مشن پر عمل پیرا تھا، حضرت مہتمم اور ناظم صاحبان کے علاوہ شعبۂ تدریس کے دیگر مدرس بغیر وظیفہ لئے خدمات انجام دے رہے تھے البتہ دو وقت کا کھانا وظیفہ میں شامل کرلیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں، ہاں شعبۂ حفظ و ناظرہ کے مدرس کی خدمت میں یکصد روپے ماہانہ پیش کر دیئے جاتے، پہلا سال یونہی اختتام پذیر ہوا، دوسرے سال بعض خیر خواہانِ ادارہ کے تعاون سے تقریباً اڑھائی صد روپے ماہوار وصول ہونے پر چالیس اور ساٹھ روپے وظیفہ مقرر کر دیا گیا، ساتھ ہی ساتھ حضرت مہتمم صاحب اور علامہ ابوسعید محمد عبدالقیوم صاحب نمازِ عصر کے بعد اہلِ محلّہ سے کسی معاون کو ساتھ لے کر مختلف بازاروں میں معاونین کی تلاش میں سرگرداں رہتے حتیٰ کہ کسی واقف کے ذریعے دُور دُور تک پہنچتے مگر مؤثر گفتگو نہ کر سکنے کی وجہ سے بہت کم حوصلہ افزائی ہوتی پھر بھی دو تین سال کی تگ ودَو کے نتیجہ سے ماہانہ

چندہ تقریباً تین صد تک وصول ہو جاتا۔

چندہ کی فراہمی کے سلسلہ میں بعض طلباء نے اپنی خدمات پیش کیں۔ رسید بکیں نہ ہونے کے باوجود طلباء نے جذبۂ ایثار کے تحت زکوٰۃ، صدقاتِ فطرانہ، چرمہائے قربانی وغیرہ کے سیزن میں جامعہ کے مالی شعبہ کو استحکام بخشنے کے لیے بڑے خلوص کا مظاہرہ کرنا شروع کیا، حضرت ناظم صاحب بیان فرماتے ہیں کہ چوہدری چراغ دین کے فرزند ارجمند چوہدری دین محمد نے اس معاملہ میں ناقابلِ فراموش کردار ادا کیا، وہ یوں کہ جب عام لوگ عید کی خوشیوں میں مگن ہوتے یہ طلباء کو ساتھ لے کر گلی کوچوں میں کھالوں کی فراہمی کے لئے بھاگ دوڑ کرتے رہتے اور ان کا یہ مقدس جذبہ ابھی تک جوان ہے۔ مخالفین کی نظروں میں وہ اسی بنا پر کھٹکتا ہے حالانکہ موصوف فطری طور پر نیک سیرت اور ایثار پسند شخص ہیں، انہیں مدرسہ سے کبھی کسی قسم کے ذاتی فائدہ کے حصول کی تمنا و خواہش نہیں ہوئی، صبح و شام مدرسہ کے لئے وقف تھے۔ حقیقت ہے کہ مدرسہ کو بھیانک حالات سے نکال کر موجودہ شکل میں متشکل کرنے میں ان کے ایثار کا بڑا دخل ہے، مولیٰ تعالیٰ انہیں جزائے خیر مرحمت فرمائے۔

☆☆☆☆☆☆

جامعہ نظامیہ رضویہ ۱۹۵۸ء سے ۱۹۶۲ء تک

مذکورہ بالا کوائف سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو چکی ہے کہ جامعہ نظامیہ رضویہ کے عملہ نے اپنے عملی کردار سے ثابت کر دیا کہ وہ جامعہ کو قائم رکھنے کی اہلیت سے سرفراز ہیں۔ دو سال میں ہر قسم کی مشکلات کا سامنا نہایت صبر و تحمل اور بردباری سے کیا، ۱۹۵۸ء میں نئے ولولے اور نئے جوش و جذبہ کے تحت دار العلوم کو ملک کے دیگر قابلِ قدر مدارس کی صف میں لا کھڑا کرنے کی طرح ڈالی گئی۔ اب قدرے مالی وسائل بھی مہیا ہو چکے تھے اگرچہ ناکافی تھے تاہم اعتماد کی صورت پیدا ہو چکی تھی۔ ادھر مدرسین حضرات مختلف مساجد میں خطابت و امامت کے فرائض سنبھال چکے تھے جس سے ان کی معاشی حالت نسبتاً سدھر رہی تھی لیکن بعض مدرسین پورا حقِ خدمت حاصل نہ ہونے کی وجہ سے دوسری جگہ معقول مشاہرہ پر مقرر ہو گئے۔ چونکہ تدریس میں کلیدی حیثیت مولانا غلام رسول اور مولانا محمد عبد القیوم صاحبان کو حاصل تھی اس لئے یہ دو حضرات دلجمعی کے ساتھ کام کرتے رہے اور دوسرے مدرسین یکے بعد دیگرے تبدیل ہوتے رہے، شعبہ حفظ القرآن میں جناب قاری محمد حنیف صاحب معقول مشاہرہ حاصل کر رہے تھے اس لئے موصوف بھی مستقل بنیادوں پر کام میں مگن رہے۔

اس عرصہ تک جامعہ علمی لحاظ سے اکناف و اطراف میں کافی مشہور ہو چکا تھا۔ شہرت کی وجہ سے طلباء دن بدن بڑھ رہے تھے چنانچہ مدرسین کی تعداد میں حسبِ ضرورت اضافہ کرنا پڑا۔ شعبۂ حفظ میں چار تک درسیات میں پانچ تک کی تعداد رکھنی

پڑی۔ ظاہر ہے کہ جب مدرسین کی تنخواہوں کا بوجھ بھی جامعہ کے ناتواں کندھوں پر بڑھ گیا اس لئے معاونین کی وسعت کے خیال سے انجمن کی تشکیل ضروری تھی تا کہ اراکینِ انجمن اپنے اپنے حلقۂ اثر سے کام لے کر جامعہ کی مالی حالت کو سنبھالا دے سکیں۔

درس وتدریس کے علاوہ ناظمِ اعلیٰ ان دنوں جامع مسجد کرشن نگر میں خطابت کے فرائض بھی انجام دینے کے ساتھ ساتھ علامہ غلام رسول صاحب کے ہمراہ معاونینِ جامعہ کی فہرست میں اضافہ کے لئے بھی پوری طرح کوشاں رہے۔ شب و روز کی محنتِ شاقہ نے آپ کی صحت پر انتہائی دباؤ ڈالا حتیٰ کہ آپ میں چلنے پھرنے کی طاقت بھی نہ رہی۔ شدید علالت کے پیشِ نظر ڈاکٹروں نے آرام کا مشورہ دیا۔ علامہ غلام رسول، مسجد کی انتظامیہ اور قدر شناس احبّا ورفقاء کے پیہم اصرار پر سرِ تسلیم خم کرتے ہوئے آپ اپنے آبائی وطن ایبٹ آباد تشریف لے گئے چھ ماہ بعد صحت بحال ہونے پر واپس جامعہ نظامیہ رضویہ تشریف لائے۔ آپ کی عدم موجودگی میں تدریسی خلاء کو پورا کرنے کے لئے ایک قابل مدرس کی معقول مشاہرہ پر خدمات حاصل کی گئیں تا کہ طلباءِ کرام اسباق میں کسی قسم کی تشنگی محسوس نہ کریں۔ اب جامعہ تعلیمی وتدریسی طور پر ترقی کی راہ پر گامزن تھا اس لئے جامعہ کو مزید فعال بنانے کے لئے جدید دور کے تقاضوں کو پورا کرنا از بس ضروری تھا چنانچہ انتظامیہ نے اپنے مجوزہ پروگرام کے لئے نئے اصلاحی اقدام پر کام کرنا شروع کر دیا۔

اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ مدارسِ عربیہ کا ایک نمایاں پہلو یہ بھی ہے کہ کوئی چھوٹا مدرسہ ہو یا بڑا، ہر ایک طلباء کو درسی کتابیں خود مہیا کرتا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ انہیں

حسبِ ضرورت درسی کتاب کے متعدد نسخے رکھنے ہوتے ہیں تاکہ ہر طالب علم کو نصاب کی زیرِ مطالعہ کتابیں مہیّا کی جا سکیں مگر علماء وطلباءِ جامعہ نظامیہ رضویہ کے پاس جو کتابیں زیرِ مطالعہ تھیں وہ تو مستعار لی گئی تھیں، خدشہ تھا کہ یہ مستعار شدہ کتابیں اگر اسی طرح زیرِ مطالعہ رہیں تو استعمال کے قابل نہیں رہ سکیں گی جن کی واپسی کی صورت میں جامعہ نئی کتب کا بوجھ برداشت نہیں کر سکے گا، اس لئے پہلی فرصت میں جامعہ کو کتابیں فراہم کی گئیں۔ جامع مسجد خراسیاں سے تار کے ذریعہ روشنی کا انتظام کیا گیا اور طلباء کے ذاتی سامان کی حفاظت کے لئے کمروں میں الماریاں بنوائی گئیں، درس و تدریس کے لئے چٹائیاں اور چارپائیاں تیار ہوئیں، معاونین کے خصوصی تعاون کا ثمرہ مزید دو کمروں کی شکل میں ظہور پذیر ہوا۔ انجمن جامعہ نظامیہ رضویہ کی رجسٹریشن اور لیٹر فارم اور مہریں بھی ۱۹۶۰ء تک تیار ہو چکی تھیں۔

نئی چال نیا جال

دار العلوم کی اقامت کا مسئلہ اب ایسے مرحلے میں داخل ہو چکا تھا کہ ناعاقبت اندیش افراد کی تمام ظاہری اسکیمیں بری طرح ناکام ہو چکی تھیں، باغیچی نہال چند کے شمالی حصے پر عارضی دار الاقامت کے باعث یہ قطعۂ زمین پوری طرح جامعہ کے تصرف میں تھا جو لوگ اب تک کھلے بندوں اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کے لئے دن رات مہتمم اور ناظم صاحبان کے لئے وبالِ جان بنے ہوئے تھے اپنی ظاہری شکست سے کچھ سبق حاصل نہ کر سکے اور اندرونِ خانہ اپنی سرگرمیاں جاری رکھیں اب تو جامعہ کے وجود کو مٹانے کے لئے انہوں نے نہایت خطرناک چال چلی وہ یہ کہ جب اس

باغیچی کی اراضی کے حصول سے مایوس ہوئے تو لاہور کارپوریشن حکام سے رابطہ کیا اور اس جگہ سکول قائم کرنے کی دعوت دینے کے ساتھ ساتھ اراضی پر قبضہ کا مکمل یقین دلایا۔ طے شدہ پروگرام کے مطابق ایک دن کارپوریشن کا عملہ آدھمکا اور آتے ہی پلانٹ تیار کرنے شروع کر دیئے، دوسرے روز باغیچی کے کنوئیں کو ایک بیل چلا رہا تھا، مالی کیاریاں درست کرنے کے ساتھ ساتھ پودے گھاس وغیرہ لگانے کے ساتھ ساتھ خاردار تار سے ان مصنوعی پھولوں کے پودوں کی حفاظت کی خاطر باڑ بھی لگائے جا رہا تھا، جامعہ کے کمروں کے سوا تمام جگہ ان کے دستِ استبداد کا نشانہ بن کر رہ گئی تین چار ماہ بعد یہاں کے لئے پرائمری سکول کی منظوری کے ساتھ ہی ایک افسر چند ماسٹر، ۵۰، ۶۰ بچے اور علاقہ کے وہی شرفاء جن کا تذکرہ شروع سے چلا آ رہا ہے آدھمکے۔ چند بااثر حضرات آگے بڑھے اور شریفانہ انداز سے مخاطب ہوئے، مولانا! فلاں جگہ کارپوریشن کا سکول تھا جو گر گیا ہے اور فوری طور پر بچوں کے بیٹھنے کے لئے جگہ نہیں لہٰذا چند روز عارضی طور پر ماسٹر صاحبان بچوں کو یہاں پر پڑھایا کریں گے جب سکول کے لئے بلڈنگ حاصل کر لی جائے گی تو عملہ اس میں منتقل ہو جائے گا۔

سبحان اللہ! اور یہاں کون سی بلڈنگ تیار تھی؟ خیر! ایسی صورت میں جامعہ کی انتظامیہ نے اس بے جا مداخلت پر کوئی مدافعانہ قدم نہ اٹھایا، جب معلوم ہوا کہ جامعہ کو ہڑپ کرنے کی عیّار لوگوں نے ایک گھناؤنی سازش تیار کی ہے اور کارپوریشن سے تمام رقبہ امپروومنٹ ٹرسٹ کی نزول برانچ سے دس روپے ماہوار کرایہ پر حاصل کر لیا ہے اور کارپوریشن نے بھی ان کی پشت پناہی کی خاطر اپنے پاؤں پھیلانے شروع کر دیئے ہیں تو مہتمم صاحب نے بھی اس تمام کاروائی کو صبر و تحمل سے برداشت کرنے کے

ساتھ ساتھ اس قطعۂ زمین کی اصل پوزیشن تک پہنچنے کی کوششیں شروع کر دیں ۱۹۶۰ء کی ابتداء کے ساتھ ہی مہتمم صاحب نے دفاتر میں آمد و رفت کا سلسلہ شروع کر دیا تاکہ ان ناجائز قابضین سے اس اراضی کو جامعہ کے لئے حاصل کر کے روز روز کی پریشانیوں سے نجات حاصل کی جائے۔ پہلے پہل امپروومنٹ ٹرسٹ کی نزول برانچ سے اراضی کا خسرہ نمبر حاصل کیا گیا اصل پوزیشن واضح ہوئی کہ اس اراضی کو نرسنگھ داس نام ہندو نے گورنمنٹ سے دوامی پٹہ پر حاصل کر رکھا تھا اس لئے ریونیو بورڈ کی طرف رجوع کیا گیا تو معلوم ہوا کہ حقوق پٹہ دوامی ابھی تک محفوظ ہیں۔ اس پر سیکٹری کالونیز نے درخواست کو چیف سٹلمنٹ کمشنر کی طرف منتقل کر دیا، ساتھ ہی وکلاء کے مشورے سے پٹہ دوامی کی نقل حاصل کرنے کی کوشش میں بار بار کچہری کا طواف بھی کرنا پڑا، بالآخر ۱۰ر نومبر ۱۹۶۱ء کو نقل حاصل کرنے کے بعد پھر چیف سٹلمنٹ کی طرف رجوع کیا تو انہوں نے کہا درخواست پر اس لئے غور نہیں کیا جا سکتا کہ وقت گزر چکا ہے اب صرف گورنر مغربی پاکستان ہی درخواست منظور کر سکتے ہیں۔ اس پر مہتمم صاحب نے گورنر صاحب کے نام درخواست دی کہ اراضی کے حقوق پٹہ کو متروکہ قرار دے کر جامعہ نظامیہ رضویہ کے نام منتقل کرنے کے لئے سٹلمنٹ کمشنر کو حکم فرمایا جائے۔

چنانچہ گورنر صاحب نے درخواست منظور کرتے ہوئے کیس چیف سٹلمنٹ کمشنر کو کاروائی کے لئے بھیج دیا جس پر حقوق دوامی پٹہ جامعہ کے نام منتقل کر دیئے گئے۔

دو اڑھائی سال کے صبر آزما امتحان کے بعد یہاں تک کامیابی حاصل ہوئی اور فروری ۱۹۶۲ء کو چیف سٹلمنٹ کمشنر نے آرڈر جاری کیا۔ اس طرح ماضی کے موہوم

تصور نے قدرے حقیقت کا لبادہ اوڑھا چیف سٹلمنٹ کمشنر سے کیس ڈپٹی سٹلمنٹ کمشنر کے ہاں منتقل ہوا وہاں آرڈر پر بحث وتمحیص جاری ہوگئی اور تاریخ پر تاریخ کے چکر شروع ہوگئے۔

حضرت محدّثِ اعظم پاکستان کا وصال

ادھر یہ سلسلہ جاری تھا کہ حضرت محدثِ اعظم پاکستان مولانا الحاج ابوالفضل محمد سردار احمد صاحب قادری چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال پر ملال کی خبر آگئی جس سے جامعہ نظامیہ رضویہ ایک نئے بحران سے دوچار ہوگیا۔ وہ یہ کہ حضرت مہتمم صاحب کو حضور محدثِ اعظم پاکستان سے دامادی کا شرف حاصل تھا۔ علمی دنیا میں آپ کی شخصیت مسلمہ تھی۔ جامعہ رضویہ لائل پور (فیصل آباد) کے لئے شیخ الحدیث کے منصب کی تمام تر ذمہ داری آپ پر آکر رہ گئی جس کے باعث مہتمم صاحب حضرت محدثِ اعظم کے انتقال کے ساتھ ہی جامعہ رضویہ لائل پور (فیصل آباد) کی خدمات میں مصروف ہوگئے۔

یہی وہ نازک لمحات تھے جب جامعہ نظامیہ رضویہ زندگی اور موت کے دوراہے پر کھڑا تھا کیونکہ جامعہ کی پوزیشن حضرت مہتمم صاحب کی موجودگی کی متقاضی تھی۔ دس سال تک جامع مسجد خراسیاں کی خطابت کے باعث اہلِ محلّہ کی نفسیات سے آپ اچھی طرح آگاہ تھے، طبائع سے اس قدر واقف تھے کہ محلّہ کے مخلص اور غیر مخلص افراد ان کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں تھے۔ جامعہ کی اراضی کا کیس جس نہج پر تھا اس سے آپ ہی عہدہ برآ ہوسکتے تھے، ان وجوہات کی بناء پر ظاہر ہے کہ مہتمم صاحب کی

نقل مکانی جامعہ کے لئے باعث موت تھی اور اس سے خود حضرت مہتمم صاحب بھی اچھی طرح آگاہ تھے مگر مرکز کی بربادی وغیرہ کے پیشِ نظر جامعہ نظامیہ رضویہ کو اسی طرح چھوڑ جانے پر مجبور تھے۔

جامعہ کی تعطیلات دس شوال کو ختم ہونے پر مولانا غلام رسول صاحب نے جامعہ کے نشیب و فراز کا اچھی طرح جائزہ لیتے ہوئے بصد اصرار تمام اختیارات حضرت مولانا مفتی محمد عبد القیوم صاحب ہزاروی مدظلہ کو تفویض فرمائے اور خود راہی لائل پور (فیصل آباد) ہو گئے۔ ناظمِ اعلیٰ نے اس عظیم منصب کو سنبھالنے سے صاف انکار کر دیا۔ اہلِ محلّہ سے مقابلہ، کارپوریشن سے مقدمہ بازی، اراضی کے کیس میں کامیابی کے حصول کے لئے دفاتر کے چکر، چندہ کی فراہمی، تعلیمی و تدریسی فرائض، دار العلوم کے داخلی و خارجی امور کی انجام دہی کے علاوہ جامع مسجد کرشن نگر میں خطابت ایسی اہم ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونا کوئی معمولی کام نہ تھا بناءً علیہ آپ کا انکار رسمی یا خوشامدانہ نہ تھا بلکہ حقیقتاً ان ذمہ داریوں کو دیکھتے ہوئے آپ بالکل بجا فرما رہے تھے کہ:

> ''اس خار دار وادی میں صرف آپ کے تعاون اور راہنمائی میں ہی کام کر سکتا ہوں، آپ کی عدم موجودگی میرے لئے تکلیف مالا یطاق ہے۔''

مگر علامہ غلام رسول صاحب کی عقابی نگاہیں اپنے اس ہونہار شاگرد کی صلاحیتوں پر مرکوز ہو کر رہ گئی تھیں۔ ۱۲ سال کے عرصہ سے آپ کی خداداد لیاقت نے مہتمم صاحب کے دل پر آپ کی عظمت کا سکہ بٹھا دیا تھا۔ جب ناظمِ اعلیٰ پیر محل اور

جامعہ حنفیہ قصور میں معقول مشاہرہ پر صدر المدرسین کی حیثیت سے پوری طرح طلباء کے ذہنوں پہ چھا چکے تھے، علامہ غلام رسول صاحب نے اس وقت جامعہ نظامیہ رضویہ کے لئے آپ ہی کا انتخاب کیا اور حضرت محدث اعظم کو کہہ کر لاہور اپنے پاس جامعہ کے اجراء کے لئے طلب کیا۔ یہاں چھ سال تک سایہ کی طرح آپ نے علامہ کا ساتھ دیا تھا اور بڑی جانفشانی سے جامعہ کے مستقبل کو تابناک بنانے میں ممد و معاون رہے تھے حتیٰ کہ جامعہ کا ظاہر و باطن آپ سے قطعاً پوشیدہ نہیں تھا، مسلسل ایک ہفتہ کے انکار اور اصرار کے بعد مولانا محمد عبد القیوم صاحب نے اس عظیم ذمہ داری کو اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے حبیب ﷺ کے فضل و کرم پر بھروسہ کرتے ہوئے اپنے نحیف کندھوں پر اٹھالیا اور اپنے قابلِ قدر استادِ گرامی کی رضامندی وخوشنودی پر سرِ تسلیم خم کر دیا۔

ما قصۂ سکندر و دارا نخواندہ ایم
از ما بجز حکایتِ مہر و وفا مپرس

۱۹۶۳ء تا ۱۹۷۲ء:

حضرت علامہ غلام رسول صاحب تو جامعہ نظامیہ رضویہ کے اختیارات مولانا مفتی محمد عبد القیوم صاحب ہزاروی کو تفویض فرما کر عازمِ لائل پور ہو گئے مگر مفتی صاحب کے پاس اختیارات پر عمل درآمد کے لئے نقدی وغیرہ نام کو بھی نہیں تھی۔ چند درسی کتب، تین بیرونی کمرے دروازوں والے اور تین وہ کمرے جو ابھی تک دروازوں کو ترس رہے تھے اور مدرسین وطلباء کے لئے چند مستعمل چار پائیاں جامعہ کی متاعِ زیست تھیں۔ گویا کہ مفتی صاحب کو ورثہ میں لاینحل مسائل کا جال پھیلا ہوا ملا۔

مسائل:

جامع مسجد کرشن نگر کے فرائض اور وہاں پر بچوں کی نگرانی، جامع مسجد خراسیاں کی ذمہ داری، مولانا غلام رسول کے خلاء کو پُر کرنے کے لئے مدرس کا فی الفور انتظام، مدرسین وطلباءِ کرام کے لئے اخراجات کا فوری بندوبست، پانی، بجلی، غسل خانے، بیت الخلاء کا حل، سائبان کی خستہ حالی کی متبادل انتظام کیلئے پکار، درس گاہوں کے لئے چٹائیاں، دفتری نظام کا قیام، کمروں کی ضرورت کا پورا کرنا، ضروری کتب کی فراہمی کے علاوہ جامعہ کی اراضی کے مقدمہ سے نمٹنا اور اہلِ محلّہ کی طاغوتی یلغار کا مقابلہ وغیرہ، یہ وہ مسائل تھے جو چاروں طرف منہ کھولے کھڑے تھے۔ بیشک ان مسائل کی گرفت بڑی سخت تھی مگر آفرین اس عظیم انسان کے جس نے اپنے پائے استقلال میں جنبش تک نہ ہونے دی اور مسائل کی گتھیوں کو ایک ایک کر کے سلجھانا شروع کر دیا۔

جامعہ کے اختیارات کو ہاتھ میں لیتے ہی ناظمِ اعلیٰ اس کی تعمیر وترقی کے لئے ایثار وقربانی کی راہ پر گامزن ہوئے۔ گو پہلے بھی آپ مثالی کردار ادا کر رہے تھے مگر اب تو قربانی کا بکرا بن چکے تھے، جامع مسجد کرشن نگر کی انتظامیہ کے سامنے تمام حالات کھل کر بیان کرتے ہوئے آپ نے استعفٰی پیش کر دیا مگر آپ کی کارکردگی اور مؤثر اصلاحی خطابت نے ان کے دل میں گھر کر لیا تھا اس لئے انتظامیہ نے انتہائی اصرار کیا مگر آپ کا انکار غالب آیا اور متبادل انتظام کا وعدہ کر کے ان کے زخمی دلوں پر مرہم لگائی۔

ملتان سے حضرت مولانا علامہ محمد انوار الاسلام صاحب کوفوری طور پر طلب کیا،صورت حال سامنے رکھی ،مولانا انوار الاسلام آپ کے ارشاد پر ملتان سے لاہور تشریف لائے جو جامع مسجد کرشن نگر کی خطابت اور جامعہ نظامیہ رضویہ میں تدریسی خدمات پر مامور ہوئے انہوں نے ایک سال تک نہایت کامیاب خطیب کی حیثیت سے جامع مسجد کرشن نگر میں گزارے، آخر مستقل طور پر جامعہ نظامیہ رضویہ کے لئے وقف ہو گئے جس کی وجہ سے ناظمِ اعلیٰ کو اپنے فرائض کی انجام دہی میں قدرے سہولت ہو گئی۔

مدرسین کا انتظام

جوں جوں مدرسہ مشہور ہورہا تھا مدرسین کی تعداد میں اضافہ لازمی امر تھا مگر مولانا غلام رسول صاحب کے اچانک تشریف لے جانے کی وجہ سے مزید کمی واقع ہو گئی، اس امر کی تلافی از حد ضروری تھی چنانچہ پہلی فرصت میں ناظمِ اعلیٰ نے مولانا غلام رسول صاحب کے خلاء کو اپنی ذات سے پُر کیا اور اپنی جگہ مولانا انوار الاسلام کے سپرد کی، باقی کمی کو پورا کرنے کے لئے دو اور مدرس مقرر کئے، شعبۂ حفظ و تجوید کے لئے تین مدرسین کا تقرر بھی عمل میں آیا، یوں تعلیمی و تدریسی پریشانیوں کا قدرے تدارک ہوا۔ یاد رہے کہ مولانا غلام رسول صاحب کے تشریف لے جانے تک کل پانچ مدرس تھے، بعدہٗ اس تعداد میں نو تک کا اضافہ ہوا پھر ضرورت پڑنے پر یہ تعداد ۱۲ تک کر دی گئی۔

طلباء کے طعام کا انتظام گھر پر ہی کر دیا گیا، وہ یوں کہ آٹا اور لکڑی وغیرہ گھر بھیج دی جاتی، کھانا تیار ہو کر جامعہ آ جاتا ایک سال تک یہی نظام قائم رہا، بعدہٗ دار العلوم میں مطبخ اور باورچی کا انتظام ہوا جو بفضلہٖ و کرمہٖ تعالیٰ تا دمِ تحریر قائم ہے اور انشاء اللہ العزیز قائم رہے گا۔

سرمایہ کی فراہمی جس پر مدارسِ دینیہ کے قیام کا انحصار ہے بہت ضروری تھی، اس کے بغیر ادارہ کا ایک قدم بھی چلنا دشوار تھا، ناظمِ اعلیٰ جو جامعہ کو بامِ عروج تک پہنچانے کا مصمم ارادہ کئے ہوئے تھے، اس مسئلہ کے حل پر بھی کمر بستہ ہو گئے۔ اسباق سے فارغ ہو کر آرام کرنے کی بجائے اپنے رفیقِ کار مولانا انوار الاسلام کو ہمراہ لئے احباب و رفقاء اور جامعہ کے سابق معاونین کے ہاں تشریف لے جاتے، دار العلوم کے لئے دامے درمے قدمے سخنے امداد کی اپیل کرتے۔ یہ تجربہ کامیاب ہوا اور آہستہ آہستہ متعارفین کا حلقہ وسیع ہوتا چلا گیا۔ مخیّر حضرات نے اس طرف دلچسپی لینا شروع کی، انہوں نے نہ صرف اپنی ذاتی خدمات سے جامعہ کو نوازنا شروع کیا بلکہ اپنے متعلقین کو بھی جامعہ کی طرف متوجہ کرانے میں اہم کردار ادا کرنا شروع کر دیا۔ رفتہ رفتہ سرمایہ کی فراہمی کا اہتمام ہوتا چلا گیا۔ حاجی شیخ فیض محمد، شیخ محمد دین، شیخ مہر الدین، حاجی محمد شفیع اور حاجی رفیق الدین صاحبان کے انتہائی خلوص نے جامعہ کو نئی زندگی بخشنے میں اہم کردار ادا کیا جس سے ناظمِ اعلیٰ کو نہایت جرأت سے کام کرنے کا موقع مہیا ہو گیا۔ پھر تو دن دوگنی، رات چارگنی ترقی کی مثال جامعہ پر صادق آتی گئی۔

داخلی امور

معاونینِ کرام کی حوصلہ افزائی کے بعد مدرسین وطلباء کی دیرینہ تکلیف کے ازالہ کی طرف قدم بڑھایا گیا اور چھ ماہ کی قلیل مدت میں پانی، بجلی، غسل خانے، بیت الخلاء، چارپائیوں اور چٹائیوں کا وافر مقدار میں انتظام کر دیا گیا۔

قاری محمود الحسن صاحب

داخلی امور میں مولانا محمد عبد القیوم صاحب مدظلہ کے بہترین معاون مولانا قاری محمود الحسن صاحب مدظلہ کی خدمات بھی قابلِ قدر ہیں جنہوں نے ان نازک لمحات میں ناظمِ اعلیٰ کی بھرپور معاونت فرمائی ٹیلیفون کا لگنا انہی کہ مساعیٔ جمیلہ کا مرہونِ منت ہے۔ اسی طرح بوسیدہ سائبان کی جگہ ایک قابلِ استعمال مگر مستعمل سائبان حاصل کرنے کا سہرا بھی انہی کے سَر ہے۔ انہوں نے میاں ظہور احمد صاحب ظہور سنز کی طرف رجوع کیا اور سائبان حاصل فرمایا۔ میاں ظہور احمد صاحب ابتداء ہی سے جامعہ کے مخلص معاونین میں سے ہیں۔ ہر سال سالانہ اجلاس پر ڈیکوریشن کا تمام سامان آپ ہی مہیا فرماتے ہیں جس کے باعث جامعہ کو سالانہ اجلاس پر عظیم الشان انتظام کے باوجود بہت کم بار اٹھانا پڑتا ہے۔

تعمیرات

حضرت مولانا غلام رسول صاحب کی روانگی تک پانچ مدرس تدریسی خدمات پر مامور تھے جن کے لئے برآمدہ، سائبان اور مسجد خراسیاں درس گاہوں کے طور پر زیرِ

استعمال تھیں۔ اب مدرسین کی تعداد بڑھنے پر درس گاہوں کا مزید اہتمام انتہائی ضروری تھا اس لئے ناظمِ اعلیٰ نے درس گاہیں مہیا کرنے کی تگ و دو جاری رکھی۔ باغیچی کے شمالی حصہ میں تین کمروں کے درمیان جگہ خالی پڑی تھی وہاں پر معمولی لاگت سے ایک کمرہ تیار کرایا گیا جسے درسگاہ کے طور پر فوراً استعمال کرنا شروع کر دیا پھر ساتھ ہی باغیچی کے مشرقی حصہ کی طرف چھ کمرے بنانے کا منصوبہ مرتب کیا، چنانچہ ایک صاحبِ دل مخیّر انسان نے اپنی گرہ سے چار کمرے اپنی نگرانی میں تعمیر کرائے اسی طرح ایک ہمدرد خاتون کے تین ہزار روپے کے عطیہ سے دو کمرے منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئے، ان کمروں کی تعمیر سے دارالاقامہ کی تنگی کافی حد تک دور ہو گئی۔

جدید تقاضوں کے مطابق ہر مدرس کی درس گاہ پر تعارفی تختی لگا دی گئی ساتھ ہی ساتھ ہر مدرس کے لئے تکیہ، دری اور ایک ایک ڈیکس مہیا کر دیا گیا نیز طلباء کرام کے لئے خوبصورت نئی چٹائیوں کا اضافہ کر دیا گیا، پھر تو ہر سال نئی چٹائیوں کے علاوہ حسبِ ضرورت برقی پنکھوں کا نصب کرنا معمول بن گیا۔

دفتری نظام

مدرسین و ملازمین، طلباء کرام کی بڑھتی ہوئی تعداد کے پیشِ نظر دفتر کا قیام ضروری ہو گیا۔ مولانا انوار الاسلام صاحب کو ناظم دفتر نامزد کرنے کے ساتھ ساتھ ایک کمرہ دفتر کے لئے مختص کر دیا گیا۔ مولانا الموصوف داخلی انتظامات کو نہایت خوش اسلوبی سے چلاتے رہے۔ حساب کو باقاعدہ رجسٹرڈ کرنے کے لیے ایک قابل منشی کی خدمات حاصل کی گئیں، وہ روزانہ باضابطہ حساب کو رجسٹر میں درج کرتے، ماہانہ چندہ

کی رسیدیں اجراء کرتے، معاونین کی سال بھر کی فہرست تیار کرتے۔

پھر وقت آیا کہ جامعہ کے حسابات باقاعدگی سے آڈٹ ہونے شروع ہوئے، ہر سال آڈیٹر کی رپورٹ کو جامعہ کی سالانہ رپورٹ میں آمد وخرچ کے ساتھ شائع کیا جانے لگا۔ جامعہ کی سالانہ رپورٹ میں تمام معاونین کے اسمائے گرامی ان کی خدمات کے ساتھ درج کیئے جاتے اور ہر ایک کو مطبوعہ کاپی ارسال کردی جاتی جس کا معاونین پر بڑا گہرا اثر ہوا اور وہ جامعہ کی خدمات میں پہلے سے زیادہ مستعدی دکھانے لگے۔

ہر ماہ آمد وخرچ کا گوشوارہ تیار ہوتا جس پر ناظمِ اعلیٰ اور صدرِ انجمن کے دستخط ثبت ہوتے تاکہ صدر اور ناظمِ اعلیٰ دفتری نظام سے باخبر رہیں اور کمی بیشی کا جائزہ لیتے رہیں، ساتھ ہی دفتری نظام کو مزید فعّال بنانے کے لئے ہر کام کی منظوری تحریری طور پر لازمی قرار دیدی گئی تاکہ ریکارڈ محفوظ ہوسکے، ضروری کاغذات اور فائل کے ریکارڈ کے لئے ایک فولادی الماری بھی خرید لی گئی۔

دارالاقامہ کے اخراجات ومشاہرات کے فارم طبع کرائے گئے، طلباء کے لئے داخلہ فارم مع شرائط وغیرہ بھی طبع ہوئے، لیٹر فارم، مہروں اور چندوں کی فراہمی کی دوہری رسیدیں بلاکوں پر تیار کرائی گئیں تاکہ حتی المقدور فراہمی چندہ کے نظام کو مربوط بنایا جاسکے اسی لئے ہر رسید پر ناظمِ اعلیٰ کے دستخط ضروری قرار دیکر ہر قسم کے شکوک و شبہات کا ازالہ کردیا گیا، غرض کہ دفتری نظام کو حالات کے مطابق بنانے کی پوری کوشش کی گئی، بفضلہٖ تعالیٰ اس میں بڑی کامیابی نصیب ہوئی۔

کتب کا حصول

اس وقت عموماً جامعہ کا کتب خانہ تقریباً درسی کتب تک محدود تھا، ضرورت تھی کہ افتاء میں مسائل کی تحقیق و جستجو کے لئے اچھا خاصا ذخیرۂ کتب حاصل کیا جائے مگر جامعہ میں اتنی استطاعت نہ تھی تاہم فتاویٰ اور تفاسیر پر مشتمل چند کتابیں خرید لی گئیں، ساتھ ساتھ درسی اور فنی کتب کے شروح وحواشی خریدنے کی بھی کوشش جاری رہی۔ گو جامعہ کے شایانِ شان تو کتب خانہ قائم نہ ہوسکا مگر ضروری کتب کی فراہمی نے پریشانی سے قدرے نجات دی حقیقت تو یہ ہے کہ جوں جوں جامعہ ترقی کرتا چلا جائے گا، توں توں اس شعبہ کی پیاس بڑھتی چلی جائے گی، اس لئے مخیّر حضرات کو اس شعبہ کی تکمیل کے لئے ہر ممکن طریقہ سے امداد بہم پہنچانی ازحد ضروری ہے۔

بعض اہلِ محلّہ کا کردار

قارئینِ کرام ان ترقی پذیر منصوبوں سے شاید یہ اندازہ لگا رہے ہوں گے کہ مولانا غلام رسول صاحب کے جانے کے ساتھ ہی اہلِ محلّہ نے اپنی مکروہ سرگرمیوں کو یکسر ختم کر دیا ہوگا اور ناظمِ اعلیٰ اطمینان سے جامعہ کی تعمیر وترقی کے کام میں مگن رہنے لگے ہوں گے، تب ہی تو اتنے وسیع منصوبوں کو کامرانی و کامیابی سے آگے بڑھاتے آئے ہیں، مگر اب تک تصویر کا ایک رخ پیش کیا جاتا رہا ہے، اب تصویر کے دوسرے رُخ سے پردہ اٹھایا جاتا ہے۔

دیکھے مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو

آپ پڑھ چکے ہیں کہ اہلِ محلّہ کا با اثر طبقہ ابتداء ہی سے جامعہ کے قیام کا مخالف رہا ہے، مولانا غلام رسول صاحب کی جامع شخصیت کے سامنے کھلے بندوں اس نے بہت کم سرگرمی دکھائی، زیادہ تر خفیہ سازشوں کا سہارا ڈھونڈتے رہے مگر مولانا کی لائل پور (فیصل آباد) روانگی کے ساتھ ہی اعلانیہ طور پر دارالعلوم اور انتظامیہ کے خلاف محاذ کھڑا کر دیا۔ عملاً شریر نوجوانوں اور بچوں کے ذریعہ، مدرسین، علماء وطلباءِ کرام کو تنگ کرنا شروع کر دیا گیا روزانہ۔

خوئے بد را بہانہ بسیار

کا مظاہرہ شروع ہوا، گالی گلوچ، مار پیٹ ان کا محبوب مشغلہ بن کر رہ گیا، غریب الوطن علماء وطلباء کرام اس جنگ وجدل سے اتنے تنگ آ چکے تھے کہ دل ہی دل میں کہنے لگے۔

قیامت کیوں نہیں آتی الٰہی ماجرا کیا ہے

ناظمِ اعلیٰ کی ذاتِ اقدس ان اوباش لوگوں کا اصلی ٹارگٹ تھی، جن پر الزام تراشیوں کی انتہاء ہو گئی، توہین وتنقیص، بے ادبی وگستاخی اور فواحش ان کا معمول بن چکا تھا حتیٰ کہ محلّہ کے وہ مخلصین اور دین وملت کے بہی خواہ مخیّر حضرات بھی ان غنڈوں کے وار سے نہ بچ سکے جو جامعہ کی بے لوث خدمات انجام دے رہے تھے۔

غرضیکہ ان عیار لوگوں کی پوری کوشش تھی کہ کسی نہ کسی طرح ایسا ہنگامہ کھڑا کر دیا جائے جس کے باعث ادارہ کی اینٹ سے اینٹ بج جائے اور اس کا نام صفحۂ ہستی سے مٹ کر رہ جائے مگر قربان جایئے ضلع ہزارہ کے اس عظیم سپوت کے جنھوں نے اپنے عملہ کو سختی سے ہدایت کر رکھی تھی کہ ان لوگوں کی زیادتیاں صبر واستقامت سے

برداشت کرتے ہوئے سنتِ مصطفیٰ ﷺ کو زندہ کر دیجئے اور محسنِ کائنات ﷺ کے حضور پیش کیئے گئے اس شعر کو اپنے لئے حرزِ جاں بنالیجئے

سلام اس پر کہ جس نے گالیاں سن کر دعائیں دیں
سلام اس پر کہ جس نے دشمنوں کو بھی قبائیں دیں

علماء وطلباء کرام نے آپ کی ہدایت پر بڑی پامردی سے عمل کیا، خودسروں کی ہر زیادتی کو خود برداشت کرتے چلے گئے۔ ایسا نازک وقت بھی آیا جب ناظمِ اعلیٰ پر پیہم دست درازی شروع ہوگئی۔ آپ نے ہر بار صبر وتحمل اور بردباری کو اپنے لئے ڈھال بنایا، طلباء و مدرسین پر ظالموں کے ہاتھ نہ پہنچنے دیئے کیونکہ مولانا کو معلوم تھا کہ اگر جوابی کاروائی کی گئی تو اصل مقصد کو نقصان پہنچے گا جس کی تلافی ناممکن ہوگی۔ آپ نے کانٹے بچھانے والوں کو منع کرنے کی بجائے کانٹوں سے دامن بچا کر گزر جانے والے مسافر کا اصول اپنایا

گزر کر دشت و صحرا سے کہیں گلزار آتے ہیں
کہ شاخِ گل میں پھول آنے سے پہلے خار آتے ہیں

اہلِ محلّہ کے مظالم کی کہانی بڑی پُر درد بھی ہے اور دراز بھی، جس کا تصور بھی اذیّت ناک ہے اور یہ روئیدادِ الم بیان کرنے کے لئے دفتر درکار ہیں۔ آپ صرف اس بات سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ناظمِ اعلیٰ اور علماءِ کرام کو گالی دینے کے لئے ایک لاوارث بوڑھے کو مقرر کر دیا گیا تھا۔ انہی گالیوں سے جو معاوضہ پاتا اسی سے گزران کرتا۔ صبح بطور ناشتہ ناظمِ اعلیٰ کو گالی دینا، علماء وطلباءِ کرام پر الزام تراشیاں کرنا، لوگوں کو مدرسہ کی تخریب پر برانگیختہ کرنا اس کا معمول بن چکا تھا اور بازاری بچوں کو پیسے

دے کر علمائے کرام کے خلاف نعرہ بازی اور پتھروں کے نشانے بنانا اس کا محبوب مشغلہ بن کر رہ گیا تھا، اس پر طرہ یہ کہ تعلیم کے دوران درس گاہوں کے درمیان جواریوں کو جُوا کھیلنے کی ترغیب دیتا اور ان کی سرپرستی کرتا تاکہ کوئی عالمِ دین یا جامعہ کا طالب علم منع کرے تو اس پر ہنگامہ کھڑا کر دیا جائے، اسی طرح کرکٹ کھلاڑیوں کو جامعہ کے احاطہ میں کرکٹ کھیلنے پر آمادہ کرتا تاکہ گیند لگنے پر جامعہ کے طالب علم زخمی ہوں تو لڑائی شروع ہو، کئی دفعہ گیند سے طلباء زخمی بھی ہوئے مگر صبر کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے نہ دیا۔

یہ روزانہ کا معمول تھا جس پر وہ لوگ سختی سے کاربند تھے۔ تعلیم کے دوران اگر کسی کھلاڑی لڑکے کو نرمی سے سمجھایا جاتا تو وہ رونا شروع کر دیتا جس پر محلّہ والے جمع ہو جاتے اور گالی گلوچ پر اُتر آتے، کوئی عذر، معذرت یا بے گناہی کی اپیل ان کے ہاں ناقابلِ قبول تھی۔ کئی دفعہ تعلیم کے دوران کسی نہ کسی مدرس کو بھی ان کے مظالم کا نشانہ بننا پڑتا، ناظمِ اعلیٰ کو مطلع کرنے سے پہلے پہلے حملہ آور بھاگ کھڑے ہوتے، بسا اوقات ناظمِ اعلیٰ اپنی ذات کو ان ظالموں پر پیش کر دیتے اور فرماتے:

> ''ظالمو! جو تکلیف دینا چاہتے ہو مجھے دے لو، میرے ان مہمانوں کو کسی قسم کا گزند نہ پہنچاؤ۔''

ایک دفعہ انہوں نے بھرپور حملہ کا پروگرام بنایا جس کی اطلاع قبل از وقت ناظمِ اعلیٰ کو مل گئی، آپ نے جامعہ کا گیٹ مقفل کرنے کا حکم دیا مگر پھر بھی وہ لوگ دیواریں پھاند کر اندر داخل ہو گئے، اینٹوں اور پتھروں کی بارش شروع کر دی۔ اس سے بھی جب ان کی پیاس نہ بجھی تو درس گاہوں میں داخل ہو کر علماء و طلباء کو پیٹنا شروع کر دیا۔

حتیٰ کہ ناظمِ اعلیٰ کے کمرہ میں گھس آئے اور طلباء پر حملہ کر دیا۔ ان کی سنگ باری اتنی سخت تھی کہ ان کے اپنے دو آدمی بھی اسی نرغہ میں آگئے اور ان پر اتنے پتھر برسے کہ وہ بیہوش ہو کر زمین پر گر پڑے جس سے وہ لوگ مزید مشتعل ہوئے اور جو منصوبہ تھا اس کو پورا کیا۔ اس وقت ناظمِ اعلیٰ نے قانونی چارہ جوئی کی کوشش کی مگر رستے ہی میں ان کے لواحقین جا ملے جن کی منت وسماجت اور معذرت سے قانونی کاروائی نہ کی گئی، کسی نے کیا خوب کہا:

ادھر آ پیارے ہُنر آزمائیں
تو تیر آزما ہم جگر آزمائیں

ناظمِ اعلیٰ کو سب سے بڑا صدمہ اس وقت ہوا جب کہ ۱۹۶۵ء میں باغیچی کے مشرقی حصہ میں نئے تعمیر شدہ چھ کمروں اور باورچی خانہ کو ایک منظّم سازش کے ذریعہ گرا دیا گیا۔ پہلے کارپوریشن کو ناجائز تعمیر کی درخواست دی گئی جب کہ کارپوریشن کی طرف سے نوٹس ملنے پر ناظمِ اعلیٰ نے کارپوریشن کے دفتر پہنچ کر معاملہ صاف کرایا اور اس طرح ایک سال کا عرصہ گزر گیا۔ اس سے انہیں بڑی مایوسی ہوئی۔ اب انہوں نے بلڈنگ انسپکٹر کو بھاری رشوت دی تو بلڈنگ افسر جدید نوٹس دیئے بغیر بے خبری کے عالم میں کارپوریشن کا عملہ تعلیمی وقت میں آ دھمکا جبکہ تمام درس گاہیں طلباء کرام سے پُر تھیں۔ ناظمِ اعلیٰ نے کچھ مہلت طلب کی، انسپکٹر نے صرف دو گھنٹہ کی مہلت دی مگر مولانا کے باہر جاتے ہی عملہ نے اپنی کاروائی شروع کر دی اور طلباء کو پولیس کے ذریعہ نکال باہر کیا اور کمرے گرا دیئے گئے۔

ناظمِ اعلیٰ ابھی دفتر کارپوریشن میں پہنچنے ہی پائے تھے کہ کمروں کے گرائے

جانے کی اطلاع ملی، یہ تمام کاروائی محلّہ کے سربراہوں کی موجودگی میں آناً فاناً عمل میں لائی گئی۔

مارشل لاء اور علماء وطلباء جامعہ نظامیہ کا تاریخی جلوس

حضرت ناظمِ اعلیٰ بیان فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ کارپوریشن کے تعلیمی افسر کے ساتھ مل کر اہلِ محلّہ نے سازش تیار کی، مجوزہ پروگرام کے تحت محلّہ کے سرکردہ حضرات علاقہ کے چیئرمین اور چیف آفیسر کارپوریشن کے ساتھ جامعہ نظامیہ رضویہ آدھمکے اور تحکمانہ انداز میں پکارے کہ یہ کارپوریشن کے پرائمری سکول کی جگہ ہے اسے خالی کر دو۔

آپ نے جامعہ کی قانونی پوزیشن واضح کرنا چاہی تو محلّہ کے سرکردہ حضرات نے للکارنا شروع کر دیا حتیٰ کہ ناظمِ اعلیٰ کا گریبان ان کے ہاتھ میں تھا۔ اس زیادتی کو علماء وطلباءِ جامعہ کب برداشت کر سکتے تھے چنانچہ جب ان میں اشتعال پیدا ہوا تو آپ نے فوراً مداخلت کی اور علماء وطلباء اور جامعہ کے عملہ کو بصد منت وسماجت روکا اور تحمل وبردباری کی ایک اور مثال قائم کر دی۔ اسی وقت مولانا کو لائل پور (فیصل آباد) ضروری کام کے لئے جانا پڑا چنانچہ آپ لائل پور روانہ ہو گئے تو علماء وطلباء نے اپنی سطح پر فیصلہ کر لیا کہ خواہ کچھ بھی ہو آج جامعہ کے لئے دوٹوک فیصلہ کرایا جائے گا۔

اسی اشتعال میں ایک جلوس منظّم کیا اور نعرۂ تکبیر و رسالت لگاتے ہوئے مارشل لاء کے دفتر پہنچ گئے۔ علماء وطلباء کی جرأت و جسارت قابلِ داد تھی کہ مارشل لاء کے دور میں لاہور ایسے مرکزی مقام پر ایک عظیم الشان کامیاب جلوس نکل رہا تھا۔ طلباء

وعلماء کی آہ وزاری رنگ لائی چیف آفیسر اور علاقہ کے چیئر مین کو فوجی عدالت نے طلب کرلیا، دوسرے دن مولانا کی لائل پور سے واپسی ہوئی، حالات وکوائف سن کر آپ نے اظہارِ افسوس کیا، عدالت میں پیشی ہوئی تو مجرموں کو معاف کردیا۔ اس کے بعد مخالفین کو ایسی کاروائی کی کبھی جرأت نہ ہوسکی البتہ عداوت کے طریقے بدل گئے، اب سیاسی حربوں سے نقصان پہنچانے کی طرح ڈالی گئی۔

ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں

یہ واقعہ بھی دلچسپی سے خالی نہیں ہوگا جس کے لئے ناظمِ اعلیٰ، علماء وطلباءِ کرام ایک نئے بحران سے دوچار ہورہے تھے وہ یہ کہ اب مخالفین نے ایک ایسے خاندان کو مداخلت کی دعوت دی جو مال واولاد، جسم وجان اور افراد کی وافر طاقت سے بہرہ ور تھے گویا کہ وہ اپنے خیال میں ہر ایک کی عزت وذلت کے ٹھیکیدار بنے ہوئے تھے۔ اسی زعم میں آکر انہوں نے ابتداءً جامعہ میں مویشی باندھنے شروع کردیئے، پھر آہستہ آہستہ پاؤں پھیلانے لگے، ایک طرف چھپر ڈال لیا، پھر محاذ آرائی پر اُتر آئے، ایک لاوارث شخص کو اپنا کارمختار بنایا، ذراسی بات پر علماء وطلباء پر آوازے کسے جاتے، نقلیں اتاری جاتیں، گالیاں ان کا شیوہ بن کر رہ گیا۔ ناظمِ اعلیٰ نے اس بے جا مداخلت پر انہیں جامعہ کے احاطہ سے نکال باہر کرنے کی کوشش کی تو انہوں نے پولیس سے امداد چاہی اور عدالت سے حکمِ امتناعی حاصل کرلیا جس پر مقدمہ بازی تک نوبت پہنچی۔ چند ماہ بعد جب حکمِ امتناعی خارج ہوا تو انہوں نے خود ہی مداخلت ختم کردی مگر جامعہ پر مکمل کنٹرول تعمیر کے بغیر ناممکن تھا اور تعمیر کی اجازت فوری حاصل نہیں ہوسکتی تھی بناءً

علیہ مخالفین کی رگِ حمیّت پھڑکی اور پھر اسی کاروائی پر اُتر آئے تاہم تعمیر اجازت اور نقشہ کی منظوری حاصل کرنے میں کافی وقت صرف ہوا، منظوری ملی اور ادھر ملک ایک نئے بحران سے دو چار ہو گیا اور پیپلز پارٹی کی تحریک شروع ہو گئی جو ایسے افراد کے لئے نہایت کارگر ہو سکتی تھی چنانچہ وہ اس پر دلیر ہو گئے اور اپنے کردار کا خوب مظاہرہ کیا جس کی وجہ سے سکون واطمینان کا نام ڈھونڈے سے نہیں ملتا تھا۔۔۔لاقانونیت کے دور میں کوئی کسی کا پرسانِ حال نہ تھا جس کی بناء پر مناسب وقت کا انتظار بے حد ضروری تھا۔۱۹۷۰ء آیا، الیکشن ہوئے، ناظمِ اعلیٰ فرماتے ہیں خیال تھا کہ ملکی حالات قدرے اچھے ہوں گے مگر ؂

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی !

ملک ٹکڑے ٹکڑے ہوا، مجاہد قیدی ہوئے، حالات بدتر ہو گئے، پیپلز پارٹی برسرِ اقتدار آئی تو لوگوں نے اپنی امیدوں کی کھیتی کو پھلتا پھولتا دیکھا۔ مجبوراً دوبارہ کاروائی عمل میں لائی گئی مگر اب چاروں طرف اندھیر ہی اندھیر تھا، ناظمِ اعلیٰ کے لئے یہ دور انتہائی کرب ناک تھا، کبھی عدالت، کبھی حکامِ بالا، کبھی پولیس کی امداد کے لئے سرگرداں رہتے مگر سوائے مایوسی کے کچھ سُجھائی نہ دیتا کسی بھی ادارے کو حکومتی پارٹی کے ورکروں کی مخالفت کی جرأت نہیں تھی کیونکہ ہر قسم کا اقتدار ورکروں کے پاس تھا، گورنر، وزراء تک سے یہی جواب ملتا کہ پارٹی کے دفتر کی طرف رجوع کیا جائے۔

آپ زبانِ حال سے پکار رہے تھے ؂

بھلا اس دور میں ملتا کہاں ہے
وہ انساں جو کسی کے کام آئے

اور جسے مخلص کارکن مل جائیں اس کی قسمت کا کیا کہنا!

القصہ نقشہ منظور ہے، معاونین تعمیری انتظامات سے سرشار ہیں مگر:

نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن، والا معاملہ ہے!

ناظمِ اعلیٰ ان سنگین حالات کے پیش نظر مایوس سے ہو گئے، حملہ آوروں سے اپنی ذات کا دفاع کرتے یا پھر ان کی طلبی پر عدالتوں اور دفتروں میں ان کے اعتراضات کے جواب دیتے نظر آتے رات بھر اپنے وکیل سے آنے والے تاریک دن کے لئے ضروری امور پر مشورہ کرتے یا پھر بوقت نماز احکم الحاکمین کی عدالت میں عدل و انصاف کے خواستگار ہوتے کیونکہ مصائب و آلام میں صرف وہی ایک ذات ہے جو بے یارو مددگار اور مضطر کا سہارا ہوتی ہے اور فریادی کی فریاد رسی کرتی ہے، حقیقی معین و ناصر، حامی اور مددگار وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔

ہاں معاونین اپنے کاروبار میں محو رہتے البتہ طلباء و مدرسین کی اس نازک وقت میں موجودگی نعمتِ غیر مترقبہ تھی جس سے جامعہ کی بقا کا تصور دل میں مچل رہا تھا۔ جامعہ کے عملہ کا اتنا تعاون بھی ناظمِ اعلیٰ کی ذات کے لئے بہترین سرمایہ تھا جو ایک ناقابلِ فراموش کارنامہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

انجمن کی تشکیل

حضرت علامہ مولانا غلام رسول صاحب کی موجودگی میں جو انجمن قائم ہوئی تھی اب اس میں قانونی و اصلاحی طور پر تبدیلی ناگزیر تھی چنانچہ بہ اتفاقِ رائے درج ذیل حضرات کا انتخاب عمل میں آیا:

صدر: حاجی فیض محمد صاحب

نائب صدر: حاجی محمد شفیع صاحب

نائب صدر دوم: حاجی رفیق الدین صاحب

ناظمِ اعلیٰ: حضرت مولانا مفتی محمد عبد القیوم صاحب ہزاروی

نائب ناظم: مولانا انوار الاسلام صاحب

اراکین: حاجی محمد دین، حاجی مہر الدین، چوہدری دین محمد اور قاری محمود الحسن صاحب [1]

انجمن کی باقاعدہ رجسٹریشن بھی کرالی گئی۔

اراضی کا مسئلہ

یہ قصہ مختصر ہے، مگر تمہید طولانی

اراضی کا کیس ڈپٹی سٹلمنٹ کمشنر کے پاس رہا۔ شکاری پر شکاری آتے رہے اور اپنا کام کرتے رہے۔ مولانا کا معمول دفتر یا وکیل سے مشورہ کے لئے آنا جانا تھا۔ سماعتیں ہوتی رہیں، کاغذات میزوں کی سیر کرتے رہے، تاریخ پر تاریخ گھومتی رہی، کارپوریشن نے فریق ثانی ہونے کا دعویٰ اگل دیا۔ مولانا وظیفۂ درس و تدریس کے بعد تھکے ماندے دفاتر میں جاتے جاتے گھائل ہو گئے۔ آخر ڈپٹی سٹلمنٹ ڈپٹی کمشنر نے کیس میں دلچسپی کا سامان نہ پا کر ۱۹۶۴ء کے وسط میں تاریخ ساز ظریفانہ فیصلہ سنا دیا کہ مذکورہ اراضی کا نصف حصہ جامعہ کی ملکیت قرار دیا جاتا ہے جب کہ نصف حصہ کا کوئی مالک نہیں ہے [2]

بریں عقل و دانش بباید گریست

کارپوریشن اس لئے نہیں کہ تاخیر کی وجہ سے وہ فریق نہیں بن سکتی اور جامعہ کو اس لئے نہیں کہ اس کے حقوق سے زائد ہے، فیصلہ اس لئے دلچسپ تھا کہ جامعہ تو اراضی کے حقوق پٹہ کا طلبگار ہے جو کہ تقسیم نہیں ہو سکتے تھے اور ڈپٹی صاحب نے اراضی کا انتقال اور تقسیم شروع کردی۔

الٰہی یہ بہار آئی ہے کیسی ، نہ گل مہکے نہ غنچے مسکرائے

اس پر مولانا نے ایڈیشنل سٹلمنٹ کمشنر کے ہاں اپیل دائر کردی جس سے کیس نے دوبارہ تحقیقی مراحل طے کرنے شروع کئے، اب کارپوریشن کا نمائندہ بھی فریق ثانی کی حیثیت سے بحث میں شریک ہونے لگا۔ حقوق پٹہ، حقوق ملکیت پر بحثیں شروع تھیں کہ خوش قسمتی سے سرراہ مولانا کی ایک دن ایک ریٹائرڈ سٹلمنٹ کمشنر سے ملاقات ہوگئی جنہوں نے مولانا سے دفتری چکروں کے بارے استفسار کیا، آپ نے اپنی آپ بیتی کہہ سنائی۔ انہوں نے مشورہ دیا کہ پریشانی میں مبتلا ہونے کی ضرورت نہیں۔ آپ جو چاہتے ہیں وہ مل گیا ہے، اس سے زیادہ محکمہ کو اختیار نہیں اس لئے آپ اراضی کے مالک محکمہ کی طرف رجوع کریں اور اس آرڈر کی تصدیق کرائیں۔

مولانا اس ہنگامی امداد سے نہایت مسرور ہوئے اور اس نامور محکمہ سے جان چھڑائی اور اپنا رخ مغربی پاکستان ریونیو بورڈ کی طرف موڑ لیا۔ معلوم ہوا کہ چیف سٹلمنٹ کمشنر کی چھٹی ابھی تک یہاں موصول نہیں ہوئی حالانکہ اس کی ایک کاپی کا یہاں پہنچنا ضروری تھا۔ متعلقہ برانچ سے سپرنٹنڈنٹ صاحب کو توجہ دلائی، انہوں نے

چیف صاحب کی چٹھی کی کاپی سیکرٹری کالونیز ریونیو بورڈ کو بھیجنے کے لئے عملہ کو لکھا۔ فائل کی تلاش شروع ہوئی، کئی مہینے تلاش میں لگے مگر فائل مفقود الخبر تھی، آخر معذرت کرتے ہوئے مولانا سے کاپی طلب کی، آپ نے؛ اپنی کاپی دی اور باحوالہ تصدیق نامہ آپ کے سپرد کیا۔ کئی ماہ کی تگ و دو کے بعد کاپی ریونیو بورڈ پہنچانے میں کامیابی حاصل ہوئی۔ آخر کار ۱۹۶۶ء میں سیکریٹری کالونیز نے چیف سٹلمنٹ کمشنر کی چٹھی پر جامعہ نظامیہ رضویہ کے لئے اراضی باغیچی نہال چند کے رقبہ ۲ کنال ۷ امرلہ کے حقوق پٹہ دوامی منظور کر کے کارپوریشن اور امپروومنٹ کو عدمِ مداخلت کی ہدایت کر دی اور ساتھ ہی ایک کاپی چیف سٹلمنٹ کمشنر کو بھی جواب کے طور پر ارسال کر دی۔

اس صبر آزما امتحان میں ناظمِ اعلیٰ پُر پیچ لائنوں کی واقفیت کے ساتھ ساتھ ناقابلِ فراموش کامرانیوں سے سرفراز ہوئے:

۱۔ ڈپٹی سٹلمنٹ کمشنر کے دفتری طواف سے نجات۔

۲۔ کارپوریشن کے شہرت یافتہ عملہ کی دھاندلیوں سے چھٹکارا۔

۳۔ امپروومنٹ ٹرسٹ اور کارپوریشن کی ملی بھگت سے رہائی۔

۴۔ جامعہ کی پٹہ داری کی حیثیت کا مسلم ہونا اور باقاعدہ کرایہ ادا کر کے رسیدوں کا حاصل کرنا۔

جب ناظمِ اعلیٰ کو اپنی چار سالہ شب و روز کی جان کوشی کا ثمرہ ان عظیم الشان کامیابیوں کی صورت میں حاصل ہوا تو نئے ولولہ اور نئے جذبہ سے سرشار ہو کر دوسرے مراحل کی طرف متوجہ ہوئے۔

سلسلۂ تعمیر جامعہ

یہ تو قارئینِ کرام پڑھ چکے ہیں کہ وقتی ضروریات کے لئے جو چھ کمرے، باورچی خانہ اور برآمدے تعمیر کئے گئے تھے وہ شرفاءِ محلّہ اور کارپوریشن کی یورش سے منہدم ہو گئے تھے جس کے باعث عرصہ دراز تک مدرسین، علماء وطلباءِ کرام کس مپرسی کی حالت میں تعلیمی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ سیکریٹری ریونیو بورڈ کی حوصلہ افزا کاروائی کے بعد ان مسمار شدہ کمروں کی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے عارضی طور پر چار کمرے اور باورچی خانہ دوبارہ تعمیر کئے گئے جن سے جامعہ کی مستقل عمارت کے سنگِ بنیاد پڑنے تک کام لیا جاتا رہا اور ساتھ ہی عالی شان عمارت کا نقشہ بنوا کر کارپوریشن کی منظوری کے لئے معہ ضروری کاغذات اراضی بطور ثبوت پیش کر دیا گیا۔

کارپوریشن کا پورا اسٹاف نقشہ دیکھ کر برہم ہوا اور انتقامی کاروائی کے تحت نقشہ کی منظوری دینے سے یہ کہتے ہوئے صاف انکار کر دیا کہ جامعہ کے لئے متعلقہ اراضی کے حقوقِ ملکیت ثابت نہیں۔

شبِ ہجراں میں جب آنسو بہائے
ستارے ٹوٹ کر دامن میں آئے

۴؍ جنوری ۱۹۶۷ء کو ناظمِ اعلیٰ نے وزیرِ تعمیر و بلدیات جناب یٰسین خاں صاحب وٹّو سے اپنے وکیل کے ہمراہ ملاقات کی صورتِ حال کو وضاحت سے بیان کیا، وزیرِ تعمیر نے کارپوریشن کے چیئرمین کو فوری طلب کیا، باتیں شروع ہوئیں، چیئرمین نے قانونی موشگافیوں کا سہارا لینا شروع کیا تو وزیرِ تعمیرات و بلدیات جو خود

بھی ملک کے سلجھے ہوئے وکلاء میں اپنا ایک مقام رکھتے تھے بولے ''تم سے بہتر قانون کو میں جانتا ہوں'' اس پر چیئرمین نے مجبوراً نقشہ کی منظوری کا وعدہ کیا اور مولانا کو اپنے ساتھ رابطہ کی دعوت دی۔

چنانچہ مولانا نقشہ لے کر چیئرمین کے ہاں پہنچے تو وہ پہلے سے زیادہ تیار پائے گئے۔ اس نے کہا اراضی کے حقوق پٹہ دوامی اگرچہ جامعہ کو حاصل ہو گئے ہیں مگر اس پر تعمیر نہیں کر سکتے جب تک گورنمنٹ سے اس پر تعمیر کی اجازت نہ لی جائے۔ یہ کہہ کر اس نے معاملہ پھر کھٹائی میں ڈال دیا۔

اس نئی الجھن سے ناظمِ اعلیٰ دم بخود رہ گئے۔ چیئرمین کے ان ریمارکس کی تصدیق کیلئے آپ کو شرائطِ پٹہ دیکھنا از حد ضروری تھا جو کہ ایک مشکل ترین کام تھا کیونکہ یہ اک فریق مخالف محکمہ کا محفوظ ترین ریکارڈ تھا مگر ایک ہمدرد محبِّ اسلام کی اعانت سے شرائط دیکھنے میں آسانی پیدا ہو گئی۔ شرائط کے مطالعہ سے چیئرمین کی صداقت کا ثبوت مہیا ہو گیا۔

اب گورنمنٹ سے اراضی معہودہ پر تعمیر کی اجازت کے لئے دوبارہ دوڑ دھوپ شروع ہوئی۔ سیکریٹری کالونیز ریونیو بورڈ کو درخواست دی، انہوں نے لاہور ڈویژن کے کمشنر کی وساطت سے جواب میں چیف سٹلمنٹ کمشنر کی طرف رجوع کرنے کو کہا حالانکہ چاہئے تو یہ تھا کہ کمشنر آفس ناظمِ اعلیٰ جامعہ نظامیہ رضویہ کو براہِ راست سیکریٹری کالونیز کے جواب کی اطلاع دیتا مگر باوجود مولانا صاحب کے بار بار یاد دلانے کے کمشنر آفس نے کارپوریشن کو لکھ دیا کہ وہ ناظمِ اعلیٰ جامعہ نظامیہ رضویہ کو اطلاع دیں

جبکہ کارپوریشن کا عملہ تو پہلے ہی ادھار کھائے بیٹھا تھا کہ کسی طرح جامعہ کو اراضی سے محروم کردیا جائے۔

کارپوریشن نے اس اطلاع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ڈپٹی سٹلمنٹ کمشنر کو درخواست دے دی کہ چونکہ سیکریٹری کالونیز نے محکمہ بحالیات کو اس اراضی کا مختار قرار دیا ہے لہٰذا کارپوریشن کی درخواست ہے کہ اس اراضی پر کارپوریشن کا سکول ہے بناءً علیہ اراضی کارپوریشن کو الاٹ کردی جائے اس پر سٹلمنٹ کمشنر کا عملہ ایک دن جامعہ میں کیس کی چھان بین کے لئے وارد ہوا تو انہوں نے تمام صورتِ حال سے ناظم صاحب کو مطلع کیا جس پر ناظمِ اعلیٰ نے کارپوریشن کی شرارت کا دفاع کرنے کے لئے چیف سٹلمنٹ کمشنر کے دفتر کی طرف رجوع کیا جس پر رپورٹ پر رپورٹ کا سلسلہ چل نکلا اور معاملہ طول پکڑ گیا۔

ناظمِ اعلیٰ نے کمشنر آفس کی مہربانیوں سے پریشان ہو کر سیکریٹری کالونیز کی طرف دوبارہ رجوع کیا۔ درخواست دی کہ میری پہلی درخواست برائے تعمیر جامعہ کا جواب دیں، چنانچہ جواب کی کاپی حاصل کرنے کے بعد حضرت علامہ غلام رسول صاحب شیخ الحدیث جامعہ رضویہ لائل پور اور حضرت صاحبزادہ مولانا الحاج قاضی محمد فضل رسول صاحب خلف الرشید حضرت محدثِ اعظم پاکستان کے ہمراہ بصورتِ وفد چیف سٹلمنٹ کمشنر سے ملاقات کی، موصوف کو صورتِ حال سے آگاہ کیا جس پر موصوف نے تعاون کا وعدہ کیا۔

اپریل ۱۹۶۹ء میں چیف صاحب کی طرف سے تعمیر کی اجازت ہوئی جب کہ اس سے پہلے مارچ ۱۹۶۹ء میں ریونیو بورڈ کی طرف سے بھی چھٹی حاصل ہو چکی تھی۔

ناظمِ اعلیٰ کی مساعی جمیلہ نے اپنا رنگ دکھایا اور دونوں درخواستوں کا تسلی بخش جواب حاصل کرنے میں آپ کو کامیابی حاصل ہوئی کیونکہ آپ متواتر ایک سال تک روزانہ متعلقہ دفاتر کے چکر کاٹتے رہے، اگر ایسا نہ کرتے تو مخالفین کی لگائی ہوئی آگ میں جامعہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جھونک دیا جاتا۔

۱۹۷۰ء میں سکون کا سانس نصیب ہوا تو منزل کی طرف قدم بڑھایا، جب نقشہ بنوا کر کارپوریشن میں منظوری کے لئے بھیجا گیا تو پھر مخالفین نے روڑے اٹکانے شروع کر دیئے کارپوریشن کا عملہ نامنظوری پر مصر تھا مگر مولانا نے نقشہ کا ساتھ سایہ کی طرح دیا حتیٰ کہ نقشہ چیف انجینئر کے پاس پہنچ گیا اور پھر کارپوریشن ایجوکیشن آفیسر کی سازش کا شکار بن گیا۔

کارپوریشن کی طرف سے نقشہ نامنظور ہونے کی باقاعدہ اطلاع ناظم صاحب کو دی گئی جس پر مولانا پھر پریشان سے ہو گئے مگر عزمِ صمیم کے مالک ناظم اعلیٰ اپنے وکیل سے ملے اور مشورہ سے اپیل دائر کر دی اور مصمم ارادہ کر لیا کہ اگر چیف کورٹ تک جانا پڑا تو پرواہ نہیں، مقدمہ لڑا جائے گا پیشی پر ایڈیشنل کمشنر نے کہا اپیل دائر کرنے کے لئے ابھی ایک مرحلہ باقی ہے وہ یہ کہ چیف انجینئر کارپوریشن کی کاروائی پر چیئرمین کارپوریشن کے پاس اپیل دائر کرنی پڑتی ہے، اس کے بعد سماعت کے لئے کمشنر کو درخواست دی جاسکتی ہے۔

مولانا دل پر پتھر رکھے ہوئے دوبارہ کارپوریشن آفس پہنچے اور اپیل دائر کی ساتھ ہی اپنے وکیل سے کہا تاریخ پر چیئرمین کارپوریشن کے ہاں پیش ہوں اور نامنظور ہونے پر وہاں سے کمشنر آفس دوبارہ اپیل دائر کریں، وکیل نے حسبِ پروگرام

کاروائی کی مگر کارپوریشن نے طرح طرح کے بہانے تراشنے شروع کردیئے، کبھی کارپوریشن کے مشیر کی غیر حاضری کا بہانہ ہے تو کبھی انجینئر صاحب کی عدم موجودگی کا عذر ہو رہا ہے۔

آخر ۲۰/ جولائی ۱۹۷۱ء کو مولانا جامعہ میں اپنی مسند پر جلوہ افروز، درس و تدریس میں مشغول اطمینان کی جستجو میں مصروف ہیں کہ شاداں وفرحاں وکیل صاحب تشریف لائے اور آتے ہی مسکراہٹ کے عالم میں پکارے:

''مولانا ! مبارک ہو ، جامعہ کا نقشہ منظور ہو گیا ہے۔''

مولانا پُر وقار انداز میں زیرِ لب مسکراتے ہوئے گویا ہوئے ، ''الحمد للّٰہ علیٰ منّہ و کرمہٖ''

وکیل صاحب نے کہا، آج چار گھنٹے کی گرما گرم بحث کے بعد چیئرمین نے معمولی ترمیم کے ساتھ نقشہ کی منظوری دے دی اور پرائمری سکول کی مقبوضہ زمین پانچ مرلہ کو نقشہ سے خارج قرار دیکر متبادل انتظام تک سکول کو باقی رکھنے کا معاہدہ کرلیا ہے، ساتھ ہی کارپوریشن کے عملہ کو فیصلہ میں ہدایت کردی گئی ہے کہ سکول کے لئے متبادل جگہ کا انتظام کرے چنانچہ چیئرمین ایڈمنسٹریٹر کارپوریشن کے فیصلہ کے مطابق ایک ماہ کی کاروائی کے بعد نقشہ کی منظوری ہوگئی اور یہ مشکل ترین مرحلہ ۱۲/ اگست ۱۹۷۱ء کو کامیابی سے ہمکنار ہوا گویا باغیچی نہال چند کو اگست کے مہینہ میں پاکستان بننے کا شرف نصیب ہوا جبکہ ۱۹۴۷ء میں اسی ماہ کی ۱۴ تاریخ کو پاکستان منصہ شہود پر جلوہ گر ہوا تھا۔

مجلسِ مشاورت

اب ناظم اعلیٰ نے تعمیری منصوبہ بندی کے لئے انجمن کے اراکین کا اجلاس بلایا، مندرجہ ذیل حضرات شریک اجلاس ہوئے:

حاجی فیض محمد، حاجی مہر الدین، حاجی محمد الدین اور چوہدری دین محمد صاحبان۔

مولانا اس مختصر حاضری سے قدرے پریشان ہوئے کیونکہ تعمیر پر اخراجات کے بندوبست کے ساتھ ساتھ مخالفین سے مقبوضہ قطعۂ زمین کو خالی کرانے کا بھی انتظام کرنا تھا مگر جلد ہی اس جماعت کے فیصلہ کن نتائج سے آپ کو اطمینانِ قلبی حاصل ہوگیا۔ احباب کے خلوص نے نصف سے زائد اخراجات اس پہلی مجلس میں طے کر لئے اینٹ، سیمنٹ اور لکڑی وغیرہ میٹریل ان احباب نے اپنے ذمہ لے لیا۔

جب دوسری طرف مخالفین سے بات ہوئی تو ان کے سربراہ نے بھی اپنا قبضہ ختم کرنے کا وعدہ کرلیا البتہ کافی مدت تک ٹال مٹول سے کام لیتے رہے، وجہ یہ تھی کہ سربراہ تو اس قبضہ کو ختم کرنے کے درپے تھا مگر اس کے حواری ڈٹے ہوئے تھے۔ پیپلز پارٹی کا دور تھا اور یہ اسی پارٹی سے متعلق تھے اور پارٹی منشور نے ہر قسم کے قابض کو مالک بنانے کا چکمہ دے رکھا تھا۔

خیر ایک دن مخالفین کے رہنما نے اپنا وعدہ پورا کرتے ہوئے مقبوضہ جگہ سے چھپر گرا دیا اور ناظمِ اعلیٰ کو قبضہ دے کر راہی ہوئے، آپ نے دوسرے روز کھدائی شروع کرائی تو انہوں نے مزدوروں کو سخت سست کہہ کر کام سے روک دیا، اور لڑائی کے لئے مستعد ہوئے۔

مولانا نے حفظِ ماتقدم کے طور پر پولیس کی امداد طلب کرنے کے لئے علاقہ کے ڈی۔ایس۔پی سے رابطہ قائم کیا تو اس نے تھانہ کے ایس۔ایچ۔او کو امداد کے لئے لکھ بھیجا۔ ایس۔ایچ۔او نے تھانہ لوہاری کے اے۔ایس۔آئی کی تحویل میں کام دے دیا۔

قابضین نے اپنے اثر سے نہ صرف کاروائی کو منجمد کرا دیا بلکہ مولانا کو تھانہ لوہاری میں طلب کیا جانے لگا۔ مجبوراً مولانا نے دوبارہ ڈی۔ایس۔پی سے رابطہ قائم کرتے ہوئے صوت حال سے آگاہ کیا۔ انہوں نے پھر تھانیدار کو فون کیا مگر عمل نہ ہوا۔

تیسری مرتبہ ڈی۔ایس۔پی سے مولانا نے پھر ملاقات کی۔ انہوں نے پھر درخواست طلب کی اور کیس رجسٹرڈ کرنے کے لئے تھانیدار کو احکام جاری کئے۔ تھانیدار نے کسی کاروائی کے بغیر فریقین کو بلا کر مصالحت کی طرف قدم بڑھانے کو کہا تو فریق مخالف صلح پر آمادہ نہ ہوا۔

مولانا نے قدرے سکون محسوس کرتے ہوئے درخت کٹوانے، بنیادیں کھدوانے کا انتظام کیا تو اس دوران ایک اور نکتہ آڑے آیا کہ درخت کٹوانے کے لئے گورنمنٹ کے محکمہ نزول سے اجازت حاصل کرنا ضروری ہے اس لئے منظوری کی درخواست دینے اور منظور کرانے میں کئی ماہ خرچ ہوئے۔ درخت کٹوانے کے ساتھ ساتھ مولانا نے احتیاطاً پولیس کی امداد کے لئے بھی منظوری حاصل کرلی۔

یہ ۲۳/مارچ ۱۹۷۲ء کا واقعہ ہے اور ۲۳ مارچ کا دن بھی پاکستان کی تاریخ میں

بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اس نسبت سے جامعہ نظامیہ رضویہ کی تاریخ میں بھی یہ ایک یادگار دن کی حیثیت کا حامل قرار دیا جاسکتا ہے۔

ناظمِ اعلیٰ بیان فرماتے ہیں کہ جب ہم نے مصالحت کی فضاء میں درختوں کی کٹائی کا پروگرام بنایا، محکمہ نزول کا عملہ، پولیس اور مزدور بھی آ گئے تو فریق مخالف نے تحریری مصالحت کے باوجود سول عدالت کا حکمِ امتناعی پیش کر دیا، ہوا یوں کہ جب پولیس کے پاس محکمہ نزول کی طرف سے امداد کی ہدایت پہنچی تو پولیس نے ازراہِ نوازش فریق مخالف کو صورتِ حال سے آگاہ کر دیا تاکہ مٹھی گرم ہو، جس پر انہوں نے ایک دفعہ پھر رکاوٹ کھڑی کر دی۔

اب باقاعدہ مقدمہ بازی شروع ہوگئی وکیل جامعہ کی یہ کوشش تھی کہ جلد از جلد حکمِ امتناعی ختم ہو مگر سرخ فیتہ کی بناء پر قانونی موشگافیوں کو پورا کرنا بھی ضروری تھا، اس لئے کئی ماہ تک انتظار کرنا پڑا۔ اس دوران مخالف فریق نے انتہائی بھونڈی چال چلی اور اپنی والدہ کو سامنے رکھ کر اراضی سے متعلقہ تمام دفاتر میں اس کی طرف سے درخواستیں دے دیں کہ میں مہاجرہ بیوہ ہوں' ۱۹۴۷ء سے پہلے کی یہ جگہ میرے قبضہ میں ہے اور میری رہائش کے لئے کوئی جگہ نہیں۔

ان تمام درخواستوں کے ساتھ پیپلز پارٹی کے ایک صد افتخار وزیر کی سفارش بھی کام کر رہی تھی، دوسری طرف فریقِ مخالف، مولانا صاحب اور ان کے وکیل کو غنڈہ گردی کا نشانہ بناتے ہوئے دفاتر اور عدالتوں میں موجود رہتے جن کے باعث مولانا اور وکیل صاحبان کو اپنی عزت و آبرو بچانا دوبھر ہو گیا، ساتھ ساتھ مخالفین نے ۳۲ روپے یومیہ کے حساب سے ایک مشہور دلاّل کرایہ پر حاصل کر لیا جو متعلقہ دفاتر اور

عدالتوں کا پالتو تھا، اس پر طرہ یہ کہ اس دلال نے اپنے سر پرستوں کی جہالت سے بھی خوب خوب ہاتھ رنگے۔

ان تمام ظاہری اسباب کے باوجود ناکامی ان کا مقدر بن چکی تھی۔ ہر جگہ انہیں ذلت و خواری کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ ایک روز عیاری سے سول جج کی منظوری لیکر معائنہ کے لئے دو رکنی کمیشن اپنے ہمراہ لائے، انہوں نے آتے ہی جامعہ کے تنور والے کمرہ کو اپنی اور والدہ کی رہائش گاہ دکھانے کے لئے کچھ سامان کے ساتھ اپنی والدہ کو لا بٹھایا۔ جلدی میں سامان بھی درست نہ کر سکے، کمیشن آیا، حالات و کوائف کا بغور جائزہ لینے کی انہیں چنداں ضرورت ہی نہ تھی۔ مصنوعی ملکیت کا بھانڈہ چوراہے میں پھوٹ رہا تھا۔ آخر کمیشن نے ان کا مشن پورا کرنے سے انکار کر دیا اور تحریر دی کہ:

> ''سامان بکھرا پڑا ہے، مسماۃ مدعیہ موقع پر موجود تھی، کھرلی تازہ نئی نئی بنی ہوئی ہے اور کمرہ دھواں آلود ہے جس میں ایک بہت بڑا تنور ہے۔''

کمیشن کی یہ رپورٹ عدالت میں پہنچنے سے پہلے مولانا نے اپنے وکیل کے مشورہ سے حکمِ امتناعی کی موجودگی میں کُھرلی بنانے پر توہینِ عدالت کی درخواست پیش کر دی جس کی تائید فریق مخالف کے تجویز کردہ کمیشن کی رپورٹ سے ہو رہی تھی، اس پر ان کو توہینِ عدالت کا نوٹس ہاتھ لگا۔

حکمِ امتناعی کے اختتام پر پولیس کی مدد حاصل کرنے کے لئے مولانا نے سر توڑ کوشش کی مگر پولیس کے لئے فریق مخالف نے مذکورہ حربے استعمال کر رکھے تھے اور پھر پولیس کے لئے تو رشوت کافی تھی، مگر ساتھ ہی صاحبِ افتخار وزیر صاحب کے فون

بھی آنے شروع ہو جائیں تو پھر پولیس کی کیا مجال تھی کہ ایک درویش کا دفاع کرتی پھرے جبکہ وزیر اور مخالف ایک ہی پارٹی کے نمک خوار تھے۔

ناظمِ اعلیٰ کا بیان ہے کہ اس مرحلہ پر بظاہر مایوسی ہوئی مگر اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس پر بھروسہ کرتے ہوئے پہلے اسی وزیر باتدبیر کے ہاں جانا ہوا۔ جب وزیر صاحب کو معلوم ہوا کہ یہ تو وہی مولانا ہیں جنہیں جامعہ نظامیہ رضویہ کے ناظم اعلیٰ ہونے کی حیثیت حاصل ہے تو انہوں نے بات سننی تو کجا، دفتر کے گیٹ پر چپڑاسی کو خاص ہدایت کر دی کہ مولانا صاحب کو میرے پاس اندر نہ آنے دیں چنانچہ مولانا دفتر کے باہر اپنے ساتھی کا کافی دیر انتظار کرنے کے بعد واپس تشریف لے آئے۔ جبکہ موصوف نے ہی اس دوران اپنے اقتدار کے بل بوتے تمام متعلقہ محکموں سے رابطہ قائم کر کے جامعہ کی الاٹمنٹ کو منسوخ کرانے کے لئے کاروائی شروع کر دی تھی، ساتھ ہی مخالفین کی بھی سرپرستی کرتے تھے۔ چنانچہ غنڈوں کو کہہ دیا کہ جامعہ کے کمروں پر قبضہ کو لو، غنڈوں نے غنڈہ گردی دکھاتے ہوئے بعض کمروں میں سامان رکھ دیا اور بڑے طمطراق سے بولے، اگر تم نے کمروں سے سامان نکال باہر کرنے کی کوشش کی تو تمہیں جان سے ہاتھ دھونے پڑیں گے اور ساتھ ہی ناظمِ اعلیٰ پر جھوٹے مقدمات کا جال پھیلا دیا گیا۔ دراصل ان کا ارادہ تھا کہ ناظمِ اعلیٰ گرفتار ہوں اور میدان خالی دیکھ کر علماء و مدرسین اور طلباء پریشان ہو کر جامعہ سے چلتا بنیں اور ہمارا قبضہ ہو جائے مگر ناظمِ اعلیٰ نے ان کے اس منصوبے پر بھی پانی پھیر دیا اور آپ کی گرفتاری عمل میں نہ آئی۔

کمیشن کی رپورٹ پر جب عدالت نے مخالفین اور ان کے معاونین کو توہینِ عدالت کا نوٹس جاری کیا تو تمام مخالف سراسیمہ ہوئے حتیٰ کہ افتخار تارڑ سمیت تمام مہربان حضرات نے ناظمِ اعلیٰ سے صلح کی کوشش کی، پولیس افسران، چیئرمین پیپلز پارٹی اور علاقہ کے بااثر افراد کی وساطت سے ناظمِ اعلیٰ سے گفتگو ہوئی۔ آپ نے صاف صاف فرمادیا کہ یہ وقت ٹالنے کے لئے صلح پر مُصر ہیں ورنہ پہلے بھی کئی دفعہ صلح ہو چکی ہے جسے یہ خود ہی سبوتاژ کرتے آئے ہیں، ایسی صلح سے کیا فائدہ؟

پولیس افسران اور پارٹی کے عہدیداران کی یقین دہانیوں پر مولانا مشروط صلح پر آمادہ ہوئے کہ مدرسہ کے خلاف تمام مقدمات واپس لیں چنانچہ تمام سرکردہ حضرات کے روبرو مقدمات کے سلسلہ میں ایک تحریر صفحۂ قرطاس پر لائی گئی نیز دفاتر کے لئے بھی ان کی غلط بیانی کا اقرار نامہ لکھوا کر باقاعدہ دستخط لئے گئے۔

مخالفین یہاں تک رام ہوئے کہ انہوں نے جامعہ کو دس ہزار روپے دینے کی پیشکش بھی کر دی اور ساتھ ہی ایک دکان بنانے کا مطالبہ کیا جس کا کرایہ باقاعدہ ادا کرتے رہیں گے اور دکان مدرسہ کی ملکیت ہوگی۔ ناظمِ اعلیٰ نے از راہِ ترحم ان شرائط کو منظور فرمالیا۔ ۳۱ رمئی ۱۹۷۲ء کو صلحنامہ لکھا گیا، معاہدہ ہوا فریق مخالف نے دس ہزار روپے پیش کئے تو ناظمِ اعلیٰ نے فراست سے کام لیتے ہوئے نصف رقم (۵۰۰۰) واپس کر دی۔

صلح کے بعد تعمیری کام آسان ہوا مگر پیپل کے پھیلاؤ کے باعث اس کی کٹائی میں سخت دشواری پیش آ رہی ہے کیونکہ چاروں طرف مکان، دکانیں اور بازار کی وجہ سے خطرہ درپیش تھا کہ اگر پیپل کے لمبے لمبے ڈال کٹ کر گرے تو کہیں کوئی مکان یا

دکان وغیرہ نہ گر پڑے اور لینے کے دینے پڑ جائیں۔ آخر سخت حفاظتی تدابیر اختیار کی گئیں اور یہ نازک مرحلہ بھی بخیر وخوبی انجام پذیر ہوا اور بنیادوں کی کھدائی شروع ہوئی۔

۵/جون ۱۹۷۲ء مطابق ۲۲/جمادی الثانیہ ۱۳۹۲ھ، پیر کو ایک سادہ تقریب کے انعقاد میں جامعہ کی عظیم الشان نئی عمارت کا سنگِ بنیاد رکھا گیا۔ اس تقریب میں ناظمِ اعلیٰ کے علاوہ صدر انجمن جامعہ نظامیہ رضویہ جناب حاجی فیض محمد صاحب، حاجی محمد دین صاحب، حاجی مہر دین صاحب، چوہدری دین محمد صاحب اور مولانا قاری محمود الحسن صاحب شامل تھے۔

بفضلہٖ وکرمہٖ تعالیٰ وبعطاء حبیبہ الاعلیٰ علیہ التحیۃ والثناء اور اولیاء کرام کے وسیلہ جلیلہ سے ایک سال کے مختصر عرصہ میں دومنزلہ عمارت کا نصف حصہ مکمل ہوگیا جو وسیع برآمدوں کے ساتھ ۲۳ کمروں اور دیگر متعلقہ ضروریات پر مشتمل ہے۔ آج اس نئی خوبصورت عمارت کو دیکھنے والا یوں محسوس کرتا ہے کہ اس کی تکمیل پر کسی قسم کی تکلیف کا سامنا نہیں کرنا پڑا ہوگا حالانکہ جامعہ نظامیہ رضویہ کی تکمیل میں ناظمِ اعلیٰ کو جن مصائب وآلام سے گزر کر یہ کامیابی حاصل ہوئی وہ واقف حضرات سے قطعاً پوشیدہ نہیں، آج قرآنِ کریم کی یہ آیت مولانا کی روح کو تسکین کا سامان مہیا کر رہی ہے:

فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا.

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

خیال رہے کہ اس جامعہ کی وسیع وعریض عمارت کی تکمیل میں محبّ ملک وملت فخرِ اہلسنت جناب حاجی فیض محمد صاحب، محترم حاجی محمد دین صاحب اور حاجی مہر دین صاحب کی مساعیِ جمیلہ کو بڑا دخل ہے جنہوں نے ہر موقع پر ناظمِ اعلیٰ حضرت مولانا مفتی محمد عبد القیوم صاحب ہزاروی دامت برکاتہم العالی کی قدم قدم پر حوصلہ افزائی فرمائی۔

دعا ہے کہ مولا تعالیٰ ان عالی قدر ہستیوں کا سایہ اہل سنت و جماعت پر تا دیر قائم رکھے جنہیں نام ونمود اور نمائش سے قطعاً تعلق نہیں، جو ملتِ اسلامیہ کی بے لوث خدمت کرتے ہوئے راحتِ قلب وجگر محسوس کرتے ہیں، جامعہ ان کے عدیم النظیر ایثار کو کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔ انہوں نے وہ شمع جلائی جس کی روشنی دن بدن بڑھتی ہی جائے گی اور اطراف واکناف میں طالبانِ دین استفادہ واستفاضہ کے لئے پروانہ وار اُڑتے چلے آئیں گے۔ انشاء اللہ العزیز الحمید.

افسوس ہے کہ یہ سبھی مخلصین اور ناظمِ اعلیٰ حضرت مفتیِ اعظم وصال فرما چکے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی خدمات کو قبول فرمائے اور ان کے مدارج ومراتب بلند کرے۔

امین ثم امین

تابش قصوری ۱۵/۴/۲۰۱۵

☆☆☆☆☆☆☆

جامعہ نظامیہ رضویہ شاہراہِ ترقی پر

حضرات!

آپ گذشتہ صفحات میں اچھی طرح ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ جامعہ نظامیہ رضویہ کو اپنے قیام کے ساتھ ہی ابتلاء کا سامنا کرنا پڑا اور وہ امتحانی دَور چند دنوں یا چند مہینوں تک ہی محدود نہیں رہا بلکہ اس نے اتنا طول کھینچا جس کی مثال نہیں ملتی۔ آزمائش کا یہ سلسلہ کئی سال مسلسل جاری رہا۔ اگر مفتی صاحب کی جگہ کوئی اور صاحب ہوتے تو یقیناً مصائب و آلام سے گھبرا کر یہاں سے کسی اور جگہ کوچ کر چکے ہوتے مگر قربان جایئے اس مردِ حق آگاہ کے جنہوں نے ہر آزمائش کا بڑی خندہ پیشانی سے استقبال کیا، بے سروسامانی کے؛ عالم میں اس بوریا نشین انسان نے اپنے رب کے حضور آنسوؤں کا نذرانہ بھی پیش کیا، بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں استغاثے بھی دائر کیے، اولیاءِ کرام کے وسیلۂ جلیلہ کا سہارا بھی ڈھونڈا اور ظاہری کاوشیں بھی جاری رکھیں، آخر وہ روح پرور وقت بھی آپہنچا جب مصائب و آلام خود گھبرا اٹھے، مردِ مومن کی شبانہ روز محنت رنگ لائی اور جامعہ نظامیہ رضویہ، اہلِ سنت و جماعت کی عظیم الشان مرکزی حیثیت سے شاہراہِ ترقی پر گامزن ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ کا ہزار ہا شکر ہے کہ پاکستان کی ممتاز اور مشہور دینی درس گاہ جامعہ نظامیہ رضویہ اپنی زندگی کے بیس سال پورے کر رہی ہے اور آج اس حقیقت کے اعتراف سے ہماری گردنیں جھکی جاتی ہیں کہ اب سے بیس برس پہلے مفتی صاحب نے جس بے بضاعتی کے عالم میں باغیچی نہال چند میں یہ پودا لگایا تھا، وہ نہ صرف بڑھا بلکہ

بڑھتے بڑھتے چمن کی صورت اختیار کرچکا ہے اور اب یہ چمن خوب بار آور ہے، تشنگانِ علومِ عقلیہ ونقلیہ پوری طرح سیراب ہورہے ہیں۔

ایک وقت تھا جب جامعہ نظامیہ رضویہ کو محنتی، مخلص، مستند، قابل ترین مدرسین و عملہ کی ضرورت رہتی تھی اور آج بحمدہٖ تعالیٰ نہ صرف اپنی ضروریات میں خود کفیل ہے بلکہ اہلِ سنت و جماعت کے مدارس و مساجد کی ضرورت کو پورا کرنے کی بھی کما حقہ صلاحیت رکھتا ہے، ہر سال علماء و فضلاء، حفاظ و قراء خاصی بڑی تعداد میں فارغ التحصیل ہورہے ہیں جو پاکستان بھر میں خدمتِ دینِ متین کا فرض بڑی خوش اسلوبی سے ادا کررہے ہیں۔

جامعہ کی جدید عمارت

جامعہ نظامیہ رضویہ ۱۹۵۶ء تا ۱۹۷۲ء تعلیمی میدان میں خوب ترقی کرتا رہا، ضروریات بڑھتی گئیں، اساتذہ اور عملہ میں دن بدن اضافہ ہوتا چلا گیا۔ اس بے سروسامانی کے دور میں بھی شعبۂ افتاء اور نشر واشاعت کے علاوہ درس وتدریس کے لئے نہایت تجربہ کار اور محنتی ۱۰ مدرسین مقرر تھے۔ بعض اہلِ محلّہ کی ریشہ دوانیوں کے باوجود سترہ عارضی کمرے تعمیر ہوئے، مزید رہائشی ضروریات کسی نہ کسی طریقہ سے مہیا کی گئیں۔ سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے مفتی صاحب مدظلہ نے فرمایا:

''پھر ۵/جون ۱۹۷۲ء ۱جمادی الثانیہ ۱۳۹۲ھ بروز پیر ایک سادہ سی تقریب میں جامعہ کی عظیم الشان دومنزلہ عمارت کا سنگِ بنیاد رکھا گیا اور ایک سال کے عرصہ میں نقشہ کے مطابق عمارت کا

نصف حصہ مکمل کرلیا گیا۔''

تعمیر شدہ حصہ کا اجمالی تعارف پیش کیا جاتا ہے۔ یہ عمارت اراضی کے مشرقی حصہ پر شمالاً جنوباً اور جنوبی شمالی حصہ پر شرقاً غرباً تعمیر کی جارہی ہے۔

شرقی عمارت:

پہلی منزل میں سات جبکہ دوسری منزل میں آٹھ کمرے ہیں اور پوری عمارت برآمدوں سے مزین ہے۔ عمارت کا یہ حصہ دار الفنون کے لئے تعمیر کیا گیا ہے جس میں درسِ نظامی کے متعلق فنون کی درس گاہیں قائم کی گئی ہیں۔

جنوبی عمارت:

اس کی پہلی منزل چار بڑے کمروں پر مشتمل ہے جو دار الفرقان سے موسوم ہے، حفظ و ناظرہ اور تجوید کے طلباء انہیں میں تعلیم پا رہے ہیں، دوسری منزل بھی چار کمروں پر مشتمل ہے۔

شمالی عمارت:

جامعہ کی عماررت کا یہ حصہ بھی دومنزلہ ہوگا، فی الحال ایک کمرہ نیچے اور ایک اوپر تعمیر کیا گیا ہے جو اس وقت دار الحدیث اور دار الکتب کے لئے استعمال کئے جا رہے ہیں، اسی سمت میں قدیمی عمارت کے چند کمرے ابھی تک زیرِ استعمال ہیں۔

مجموعی طور پر جدید عمارت ستائیس کمروں ااور برآمدوں پر مشتمل ہے۔

تعلیمی و غیر تعلیمی شعبے

۱۔	حفظ القرآن	۲۔	تجوید القرآن
۳۔	دار الفنون	۴۔	دار الحدیث
۵۔	دار الافتاء	۶۔	دار الاشاعت
۷۔	دار الاقامہ	۸۔	دفاتر
۹۔	دار الکتب	۱۰۔	بزمِ طلباء

اجمالی تعارف

حفظ القرآن:

یہ شعبہ پانچ مستند قراء، اساتذہ کرام کی زیرِ نگرانی چل رہا ہے تقریباً دوصد طلباء دونوں وقت حفظ القرآن کی تعلیم پا رہے ہیں، وقت کی تقسیم کچھ اس طرح ہے کہ صبح سات بجے سے ساڑھے گیارہ بجے تک پڑھائی بعدہٗ دو گھنٹے طعام و آرام کے لئے پھر ظہر سے لیکر نمازِ عصر تک پڑھائی۔

اب تک سینکڑوں بچے حفظِ قرآنِ کریم کی دولت سے مالا مال ہو چکے ہیں چنانچہ ماہِ رمضان المبارک میں لاہور اور بیرونِ شہر اکثر مساجد میں قرآنِ کریم سنانے والے حضراتِ حفاظ جامعہ نظامیہ رضویہ ہی سے فراغت کا شرف رکھتے ہیں۔ اس وقت یہ شعبہ مقامی لوگوں کی توجہ کا خصوصی مرکز بنا ہوا ہے کیونکہ یہ شہر لاہور میں ایسے مقام پر واقع ہے جہاں لوگ اپنے بچوں کو بآسانی لا اور لیجا سکتے ہیں۔ اس شعبہ کے تمام

کمرے طلباء کی بڑھتی ہوئی تعداد کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔طلباء کی کثیر تعداد ہر سال داخلہ سے اس لئے رہ جاتی ہے کہ جگہ کی قلت سدِّ راہ بنی ہوئی ہے۔

تجوید القرآن:

قرآنِ کریم کو مخارج وصفات کے تمام قواعد وضوابط کا لحاظ رکھ کر پڑھنا از حد ضروری ہے لیکن اکثر اداروں میں اس بنیادی ضرورت کا قطعاً خیال نہیں رکھا جاتا، جامعہ نظامیہ رضویہ نے اس طرف بھی اپنی توجہ دے رکھی ہے چنانچہ فنِ تجوید کے تین ماہر اساتذہ بڑی خوش اسلوبی سے اس فریضہ کو سرانجام دے رہے ہیں،بعض طلباء جو درسِ نظامی کی تعلیم حاصل کررہے ہیں وہ بھی وقت بچا کر اس فن میں استفادہ کررہے ہیں، یہ ایک اچھی وصف ہے، وہ جہاں ایک قابل ترین عالم اور فاضل بن کر جائینگے وہیں قاری اور مجوّد بھی ہوں گے۔طلباء کی خاصی بڑی تعداد فنِ تجوید سے بہرہ ور ہو رہی ہے۔تجوید القرآن کا نصاب دو سال میں مکمل کرایا جاتا ہے۔

دارالفنون،شعبۂ فارسی:

کبھی وہ وقت بھی تھا جب برصغیر پاک وہند کی سرکاری زبان فارسی ہوا کرتی تھی،شاہانِ اسلام کو اس زبان سے خصوصی لگاؤ تھا۔اس دور کی مذہبی،ملکی،ملّی،تاریخی، فنی، قانونی، اسلامی، روحانی، ادبی، ثقافتی، معاشی ومعاشرتی،منظوم ومنثور اکثر کتب فارسی زبان ہی میں لکھی جاتی تھیں،خواص تو خواص عوام بھی اس کے محاسن سے بخوبی آشنا تھے۔اس زبان کی مقبولیت سے گھبرا کر انگریز نے اپنی شاطرانہ چالوں کو بروئے کار لاتے ہوئے مسلمانانِ برِصغیر کی تہذیب وزبان پر ڈاکے ڈالے،اسلامی تہذیب و

تمدن کو مٹانے میں اس نے کوئی کسر نہ اٹھا رکھی، آخر باشندگانِ برِصغیر کو فارسی کی بجائے انگریزی کو سرکاری زبان قرار دینے کا مکروہ اعلان سننا پڑا۔ رفتہ رفتہ انگریز کی چال کامیاب ہوتی چلی گئی اور یہاں کے باشندوں نے زبان کے ساتھ ساتھ لباس بھی اتار پھینکا اور آج یہ حالت ہے کہ فارسی زبان وادب سے خواص کو بھی دلچسپی نہیں رہی، اگر کہیں سے اس متاعِ گم گشتہ کی آواز سنائی دیتی ہے تو وہ درس گاہیں ہی ہیں جہاں اس زبان کے ادبی محاسن، فنی کمالات اور علوم وفنونِ اسلامیہ میں اس کی اہمیت و ضرورت کی باتیں سنی جاسکتی ہیں۔

الحمد للہ ! جامعہ نظامیہ رضویہ نے وقت کے دھارے پر بہنے کی بجائے اسلاف کی ان عظیم روایات کو تازہ کرتے ہوئے شعبۂ فارسی کا اعلیٰ سطح پر انتظام کر رکھا ہے، اس شعبہ سے متعلق بھی نہایت قابل استاذ موجود ہیں جو فارسی زبان و ادب کا شوق رکھنے والے طلباء کو مستفید کر رہے ہیں۔

درسِ نظامی:

جامعہ کا یہ شعبۂ نہایت اہمیت کا حامل ہے کیونکہ یہی وہ شعبہ ہے جو علومِ دینیہ کی ترویج واشاعت میں بنیادی کردار ادا کرتا ہے، درس وتدریس، تعلیم وتعلم، افہام و تفہیم، بحث ومناظرہ، تصنیف وتالیف، نشر واشاعت، افتاء وقضاء ایسے جملہ دینی امور اسی شعبہ سے منسلک ہیں، انہی امور پر معاشرہ کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا جاتا ہے، ادیب، صحافی، خطیب، مقرر، واعظ، مناظر، مبلغ، مدرس، فلسفی، مؤرخ، محقق، محدث، مفتی اس وقت تک کما حقہ کوئی نہیں بن سکتا جب تک اس شعبہ کی تکمیل نہیں کر پاتا اور

ایسے شعبے کو روانی اور کامیابی سے چلانے کے لئے بھی فاضل ومحقق، مستند رجال کی ضرورت ہوتی ہے، جب ان اوصاف سے متصف شخصیتوں کو جامعہ نظامیہ رضویہ میں تلاش کرتے ہیں تو بحمدہٖ تعالیٰ دل کو سکون نصیب ہو جاتا ہے کہ اس شعبہ سے متعلق تمام اساتذہ کرام مذکورہ اوصاف پر پورے اترتے ہیں، حضرت مفتی صاحب نے وضاحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ:

> ''ہماری شروع ہی سے یہ خواہش اور کوشش رہی ہے کہ اس شعبہ میں اہم علمی شخصیات کی خدمات حاصل کی جائیں، الحمدللہ کہ ہمیں اس میں کامیابی نصیب ہوئی ہے اور یہ صرف ہمارا دعویٰ ہی نہیں بلکہ درسِ نظامی سے دلچسپی رکھنے والے اہلِ علم نے جامعہ نظامیہ رضویہ کے مدرسین کے تعلیمی معیار کو ان کے قابلِ قدر تلامذہ میں بوقتِ امتحان نہایت بلند پایا اور ان کی قابلیت پر مہرِ تصدیق ثبت فرمائی ہے۔''

اس وقت اس شعبہ میں آٹھ تجربہ کار، محنتی اور قابلِ فخر مدرس موجود ہیں جو پوری تندہی اور خلوص سے درس وتدریس میں مصروف ہیں۔

دارالحدیث:

جامعہ کا یہ انتہائی شعبہ ہے اس میں دورۂ حدیث شریف کا عمل جاری رہتا ہے، جیّد اور متبحر علماء کی نگرانی میں کتبِ حدیث کی تعلیم دی جاتی ہے۔ اس شعبہ کی تکمیل کے بعد جامعہ کی موجودہ تعلیم، نصاب کے مطابق پوری ہو جاتی ہے، کامیاب طلباء کو فارغ ہونے پر سندِ فراغت سے نوازا جاتا ہے۔

وضاحت:

جامعہ کی عمارتی مشکلات کے پیشِ نظر جامعہ میں شعبۂ حدیث کا اجرا نہ ہو سکا، ۱۹۷۴ء میں اللہ کے فضل و کرم سے جامعہ کی جدید عمارت کا نصف حصہ مکمل ہوا تو اس اہم شعبہ کا اجراء ضروری سمجھا گیا چنانچہ ناظمِ اعلیٰ نے تنظیم المدارس (اہلسنت) پاکستان کے سالانہ اجلاس کے موقع کو مناسب سمجھا جس میں پاکستان بھر کے اکابرِ اہلسنت شرکت فرماتے ہیں چنانچہ اس موقع پر تنظیم کے صدر استاذ العلماء مفتی اعظم پاکستان علامہ ابو البرکات صاحب دامت برکاتہم العالیہ شیخ الحدیث دار العلوم حزب الاحناف لاہور سے درجۂ حدیث کے افتتاح کی درخواست کی گئی، آپ نے ناظمِ اعلیٰ کی درخواست کو قبول فرماتے ہوئے دیگر اکابر کی موجودگی میں درسِ بخاری شریف کا افتتاح فرمایا۔ اور یوں جامعہ کے اہم شعبہ کا با قاعدہ افتتاح مورخہ ۱۱؍شوال ۱۳۹۴ھ مطابق ۲۸؍اکتوبر ۱۹۷۴ء کو ہوا۔ اب جامعہ میں ہر سال با قاعدہ طور پر بخاری شریف کے افتتاح و اختتام کے موقع پر تقاریب منعقد کی جاتی ہیں۔ اس سال ۲۵؍رجب ۱۳۹۶ھ کو ختمِ بخاری شریف کے وقت استاذ العلماء علامہ مولانا غلام رسول صاحب شیخ الحدیث لائلپور، استاذ العلماء مولانا مفتی محمد حسین صاحب نعیمی شیخ الحدیث جامعہ نعیمیہ لاہور اور استاذ العلماء مولانا علامہ محمد مہر الدین صاحب شیخ الحدیث جامعہ ہذا دامت برکاتہم العالیہ کے علاوہ جامعہ ازہر، مصر کے مدرس علامہ مولانا عبد الجواد صاحب زید مجدہ بھی موجود تھے۔

دارالافتاء:

یوں تو ہر شعبہ کی اہمیت وضرورت اپنی اپنی جگہ مسلم ہے مگر اس الحادو دہریت اور مادہ پرستی کے بھیانک دور میں عام مسلمانوں کو صحیح احکامِ اسلام معلوم کرنے کی سہولت کے پیشِ نظر دارالافتاء کا قیام بہت ضروری ہو جاتا ہے خصوصاً جب کوئی ادارہ اپنی انفرادیت سے گزر کر آفاقی سطح پر ہمہ گیر مقبولیت حاصل کر چکا ہو تو وہاں سے فتاویٰ کا اجراء اور بھی ضروری ہو جاتا ہے۔

آج کل بعض نام نہاد مذہبی درس گاہیں ایسی بھی نمودار ہو چکی ہیں جہاں دین کا نام لیکر دین کو ختم کیا جا رہا ہے، اللہ تعالیٰ کی ذاتِ ستودہ صفات پر کذب وافتراء کی نسبت کی جا رہی ہے، ناموسِ رسالت ونبوت پر حملے کئے جا رہے ہیں، صحابہ کرام، تابعین اور مقلدین آئمہ پر بہتانات کی بارش ہو رہی ہے، اولیائے کرام کے مشن کو بڑی بے دردی سے کچلا جا رہا ہے، حنفیت کو نام نہاد حنفی کند چھری سے ذبح کر رہے ہیں، خواہشاتِ نفسانیہ کو شریعت کا نام دیا جا رہا ہے، سیاسی انقلاب کی رونمائی کے ساتھ ساتھ فتاویٰ کی حیثیت کو بھی منقلب کرنے کی طرح ڈالی جا چکی ہے، سیاسی مفتی آئے دن اپنے جاری کردہ فتووں کے خلاف عمل پیرا ہیں، مفتیانِ سیاست شریعتِ اسلامیہ پر سرِ تسلیم خم کرنے کی بجائے اس مقولہ کا مصداق بن چکے ہیں۔

چلو تم ادھر کو ہوا ہو جدھر کی

اس لئے علمائے حق کا فرض ہے کہ فتویٰ کے تقدس کو علماءِ سوء کی چیرہ دستیوں سے بچانے کے لئے اپنی مساعیٔ جمیلہ کو بروئے کار لائیں۔

فتویٰ کی عزت وحرمت اور تقدس کے تحفظ کے لئے جامعہ نظامیہ رضویہ میں دارالافتاء کا قیام عمل میں لایا گیا اور فقہ حنفی کے مطابق پوری ذمہ داری سے فتویٰ جاری کیا جاتا ہے۔لوگ اپنے مسائل لکھ کر بذریعہ ڈاک یا دستی دریافت کرتے ہیں۔اس عظیم منصب کی تمام تر ذمہ داری حضرت مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی نے سنبھال رکھی ہے، ملک اور بیرونِ ملک سے آنے والے ہر قسم کے سوالات کے مدلّل جوابات نہایت تحقیق سے دیئے جاتے ہیں،فتویٰ شرعی ذمہ داری کے باعث نہایت احتیاط سے جاری کیا جاتا ہے۔حضرت علامہ مفتی صاحب کو اس فن میں کاملیت حاصل ہے۔اکابرِ اہل سنت آپ کے تحقیقی فتاویٰ کو بہ نظرِ استحسان دیکھتے ہیں۔

تصنیف وتالیف:

دارالافتاء کا دوسرا شعبہ تصنیف وتالیف سے عبارت ہے جہاں مختلف موضوع پر تحقیقی کام ہورہا ہے اس کے قیام نے اہلِ سنت و جماعت کو ایک تازہ ولولہ بخشا ہے، مختصر مدت میں اس شعبہ نے اتنا مؤثر کام کیا ہے کہ اپنے رطب اللسان اور مخالف حیران وششدر ہیں۔ بین الاقوامی سطح پر اس کا خوب شہرہ ہے، اس شعبہ کے نگرانِ اعلیٰ صاحبِ طرز محقق حضرت مولانا علامہ محمد عبدالحکیم شرف القادری صدر مدرس جامعہ ہٰذا ہیں جن کی خدمات جلیلہ پر سنیت کو ناز ہے۔اب اس شعبہ کو اہل سنت و جماعت کی ممتاز شخصیت مکرم جناب حکیم محمد موسیٰ صاحب امرتسری صدر مرکزی مجلسِ رضا، لاہور کی سرپرستی میں مزید فعال اور متحرک بنایا جارہا ہے جس میں علمی، ادبی، فنی اور درسی کتب پر تحقیقی کام ہورہا ہے بعض ضروری کتب کے اردو تراجم بھی کیئے جارہے ہیں۔

اس وقت تک جامعہ کے تحقیقی شعبہ تصنیف و تالیف میں جو کام ہوا ہے وہ مندرجہ ذیل ہے:

۱۔ باغی ہندوستان (حالات مولانا فضل حق خیرآبادی) مقدمہ وتتمہ ازمولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری۔ (مطبوعہ)

۲۔ سوانح سراج الفقہاء (مولانا مفتی سراج احمد) ازمولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری۔ (مطبوعہ)

۳۔ تذکرہ اکابرِ اہلِ سنت پاکستان ازمولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری

۴۔ یادِ اعلیٰ حضرت (مطبوعہ) (اعلیٰ حضرت کا مختصر تعارف) ازمولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری

۵۔ سیف الجبار (ازمولانا شاہ فضل رسول بدایونی) (مطبوعہ) ازمولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری

۶۔ مقالات (اعلیٰ حضرت کے بارے میں مجموعہ) (مطبوعہ) مرتبہ طلبائے جامعہ

۷۔ مرقاۃ (منطق) پر عربی حاشیہ ازمولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری

۸۔ نامِ حق (فارسی) حاشیہ اردو (مطبوعہ) ازمولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری

۹۔ کریما (فارسی) حاشیہ اردو (مطبوعہ) ازمولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری

۱۰۔ محبوب الفقہ (فارسی) ترجمہ اردو محمد منشا بش قصوری

۱۱۔ تذکرۃ المحدثین علاّمہ غلام رسول سعیدی مدظلہ

علاوہ ازیں مختلف شخصیات، کتب اور موضوعات پر تعارف ومقدمے لکھے جا رہے ہیں۔

دارالکتب:

جب ۱۹۵۶ء میں جامعہ کی تشکیل ہوئی تو اس وقت ذاتی طور پر جامعہ کے پاس مدرسین وطلباء کے لئے ایک بھی کتاب موجود نہ تھی۔آپ پڑھ چکے ہیں کہ وقتی طور پر جامعہ رضویہ مظہر اسلام، لائلپور (فیصل آباد) سے ضرورت کے مطابق کتابیں مستعار لی گئیں۔ابتداء طلباء کی تعداد کے لحاظ سے وقت تو پاس ہوتا رہا،مستعار کتب کے علاوہ مفتی صاحب اور دیگر مدرسین اپنی ذاتی کتب سے بھی استفادہ کرتے رہے مگر یہ سلسلہ زیادہ دیر تک نہ چل سکتا تھا، دن بدن طلباء کی بڑھتی ہوئی تعداد کے پیشِ نظر ضروری تھا کہ جامعہ، مدرسین وطلباء کو جتنی جلدی ہو سکے اپنی کتابیں مہیا کرے، یوں بھی مستعار کتب کا زیرِ مطالعہ رہنے کے باعث ضائع ہو جانے کا شدید خطرہ تھا لہٰذا ناظمِ اعلیٰ نے جامعہ کی عارضی تعمیر کے ساتھ ساتھ دارالکتب کا شعبہ قائم کر دیا اور آہستہ آہستہ کتابیں حاصل کرنا شروع کر دیں۔

قطرہ قطرہ بہم شود دریا

چنانچہ مفتی صاحب کی شبانہ روز محنت کا حاصل ہے کہ آج بفضلہٖ تعالیٰ داارالکتب میں کتابوں کا معتد بہ ذخیرہ موجود ہے، مدرسین وطلباء اپنی تدریسی ضروریات پوری کرنے کے علاوہ فارغ وقت میں ہر قسم کی علمی کتب سے استفادہ

کرتے نظر آتے ہیں، تاہم ذخیرۂ کتب کی فراہمی کیلئے ابھی بہت کچھ کرنا باقی ہے جس کے لئے کثیر سرمایہ کی ضرورت ہے۔

دارالکتب (لائبریری) کے محافظ حضرت مولانا علامہ محمد صدیق صاحب ہیں جن کی دلچسپی کے باعث دارالکتب احسن طریقہ سے جامعہ کے مدرسین وطلباء کے مطالبات کو پورا کرنے میں کوشاں ہے، اسی لئے مولانا گوناگوں خوبیوں کے باعث مدرسین وطلباء میں ہردلعزیز ہیں۔

تبلیغ واشاعت:

گو جامعہ کا وجود ہی مجسمۂ تبلیغ ہے اس کے تمام شعبے تبلیغ ہی کی مختلف شاخیں ہیں۔ درس وتدریس، تعلیم وتعلم، حفظ وناظرہ، بحث ومناظرہ، استفتاء وافتاء، تصنیف و تالیف، تحقیق وتدقیق، حدیث وتفسیر کے اسباق الغرض ایک ایک امر تبلیغ ہی سے عبارت ہے مگر اصطلاح عام میں وعظ وتقریر کا دوسرا نام تبلیغ ہوگیا ہے اس لئے عنوانِ بالا کے ذریعہ وضاحت کی جاتی ہے کہ جامعہ کا یہ شعبہ ابھی تک علیحدہ تو قائم نہیں کیا جا سکا مگر ضرورت اور وقت کے تقاضوں کے مطابق اس طرف توجہ دی جارہی ہے کیونکہ اس کی افادیت کسی سے پوشیدہ نہیں، مواعظِ حسنہ ہی سے معاشرہ کی اصلاح کی جاسکتی ہے چنانچہ اس مبارک سلسلہ کو جامعہ کے مدرسین اور منتہی طلباء جاری رکھے ہوئے ہیں۔

ہر جمعرات دن کے گیارہ بجے سے ظہر اور بسا اوقات نمازِ ظہر کے بعد عصر تک تبلیغی پروگرام کا سلسلہ قائم رہتا ہے جس میں مدرسین وطلباء کے علاوہ اور لوگ بھی

شرکت کرتے ہیں، علاوہ ازیں جامعہ کی طرف سے بعض علماء گاہے گاہے بسلسلۂ تبلیغ باہر بھی تشریف لے جاتے ہیں اور اپنے مواعظ سے لوگوں کو مستفید کرتے ہیں۔ مدرسین اور منتہی طلباء مختلف مساجد میں خطباتِ جمعہ سے بھی اس مشن کو برقرار رکھے ہوئے ہیں۔

تبلیغی شعبہ کا اہم حصہ نشر و اشاعت ہے تاکہ مطالعہ کا ذوق رکھنے والے حضرات تک صحت بخش خالص دینی لٹریچر پہنچا کر تبلیغ و اصلاح کا کام انجام دیا جاسکے۔ بفضلہٖ وکرمہ تعالیٰ اس کا انتظام نہایت احسن طریقہ سے خود بخود ہی ہوگیا ہے۔ حالاتِ حاضرہ میں اس کی نہایت سخت ضرورت تھی، اسلام کے صحیح عقائد وخیالات نہایت مؤثر اور دلنشین انداز میں پیش کرنا از حد ضروری تھا چنانچہ جامعہ میں مکتبہ قادریہ کا قیام انہی جذبات کا آئینہ دار ہے۔

یہاں اس امر کی وضاحت ضروری سمجھتا ہوں کہ مکتبہ قادریہ، جامعہ نظامیہ رضویہ کا شعبہ نہیں، یہ چار حضرات کے خلوص کا ثمرہ ہے جن کی ذاتی کاوشیں اسے آگے بڑھا رہی ہیں، مکتبہ قادریہ اس وقت حضرت مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری کی نگرانی میں کامیابی کے مراحل طے کر رہا ہے۔ حفاظتِ اسلام کی خاطر ہر عنوان شریعت پر کتب خصوصاً امامِ اہلسنت مجددِ مائۃ حاضرہ مولانا شاہ محمد احمد رضا خان قادری بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی گرانقدر تصانیف وتالیفات کی اشاعت اس کا اولین مقصد ہے۔

دارالاقامہ:

طلباء کی رہائش کے لئے فی الحال دارالاقامہ کی تعمیر معرضِ التواء میں ہے

واقف کار حضرات ان مشکلات کو بخوبی جانتے ہیں جن کا تعلق کسی بھی طرح کسی مذہبی ادارہ سے ہوتا ہے۔ جامعہ کے پاس اراضی کا مسئلہ نہیں بلکہ بعض نامساعد حالات کے سبب دارالاقامہ کی تعمیر میں دیر ہو رہی ہے، مناسب وقت کا انتظار ہے، اس کے ہاتھ لگتے ہی جامعہ کی اراضی پر علیٰحدہ تین منزلہ عمارت گورنمنٹ کے منظور شدہ نقشہ کے مطابق تعمیر کی جائے گی، فی الحال آٹھ قدیم اور پندرہ جدید کمرے طلباء کی رہائش کے لئے مختص ہیں، جو دراصل درسگاہوں کے لئے تعمیر ہوئے ہیں، یہی وجہ ہے کہ موجودہ عمارت بہت ناکافی ہے طلباء کے داخلہ میں اس لئے ایک محدود تعداد سے تجاوز نہیں کیا جاتا کہ ان کی رہائش کا خاطر خواہ انتظام نہیں۔

دارالاقامہ کے ساتھ ایک مطبخ کی بھی ضرورت ہوتی ہے جس کے لئے فی الحال مستقل انتظام نہیں ہو سکا بناءً علیہ انتہائی تکلیف کا سامنا ہے تاہم وقتی طور پر ایک بوسیدہ عمارت بطور مطبخ زیرِ استعمال ہے۔ دارالاقامہ کی تعمیر کے ساتھ ہی جامعہ نظامیہ رضویہ درسگاہوں اور دیگر ضروری عمارتوں کے لحاظ سے بھی ایک مثالی ادارہ ثابت ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ.

☆☆☆☆☆

جامعہ نظامیہ رضویہ اور تحریکِ ختمِ نبوّت

علماء و مشائخ کا مقدس گروہ نامساعد اور حوصلہ شکن حالات میں بھی ہمیشہ پرچمِ اسلام بلند کرنے میں کوشاں رہا ہے۔ یہ علماء و مشائخ ہی کا نورانی قافلہ تھا جس نے دین اسلام کے خلاف کی جانے والی سازشوں کا قلع قمع کیا، گاندھی کی شاطرانہ چالوں کو ناکام بنایا، شدھی تحریک کو موت کے گھاٹ اتارا، نظریہ پاکستان کا پرچار کیا، تحریکِ پاکستان کو کامیابی سے ہمکنار کیا، جہادِ کشمیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ تحریکِ ختمِ نبوت کے لئے متاعِ زیست کو وقف کر دیا اور حقیقۃً یہی وہ مرکزی مسئلہ ہے جس کے گرد جملہ مسائل طواف کرتے ہیں۔

۱۹۵۳ء کی تحریکِ ختمِ نبوت میں غازئ اسلام مولانا ابوالحسنات قادری، مولانا علامہ عبدالحامد بدایونی، علامہ عبدالغفور ہزاروی علیہم الرحمہ، مولانا محمد حسین نعیمی، مولانا خلیل احمد قادری، مجاہد ملّت مولانا علامہ عبدالستار خاں نیازی کے علاوہ سینکڑوں علماءِ اہل سنت کو قید و بند کی صعوبتوں سے دوچار ہونا پڑا، ہزاروں عاشقانِ مصطفیٰ گولیوں کا نشانہ بنائے گئے۔ مجاہدِ ملت علامہ عبدالستار خاں نیازی کو کئی ماہ کی قید و بند کے بعد سزائے موت سنائی گئی مگر ان کے پائے استقلال میں جنبش تک نہ آئی حتیٰ کہ موت کو شکست ہوئی اور مولانا کو اپنے مشن میں عظیم الشان کامیابی حاصل ہوئی اختصار ملحوظِ خاطر ہے اس لئے ماضی کی ان مقدس یادگاروں سے صرفِ نظر کرتے ہوئے ۱۹۷۴ء کی تحریکِ ختمِ نبوت میں صرف جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور نے جو مثالی کردار انجام دیا اس کا خاکہ پیش کرنے پر اکتفاء کرتا ہوں۔

۲۵ مئی ۱۹۷۴ء کو ربوہ ریلوے اسٹیشن پر امتِ مرزائیہ نے نہتے طلبا پر حملہ کر دیا، دو گھنٹے تک ریل پر قبضہ جمائے رکھا، گویا کہ مرزائیوں نے مسلمانوں کو چیلنج کیا، وہ مسلمانوں کو آزمانا چاہتے تھے کہ کیا ان کی غیرت وحمیت مر چکی ہے یا زندہ ہے۔

اس سانحہ کا ظہور پذیر ہونا تھا کہ مسلمانانِ پاکستان نے اپنی غیرت وحمیت کا ایسا نا قابلِ فراموش مظاہرہ کیا جس کی مثال نہیں ملتی۔ سوادِ اعظم کے ساتھ دوسرے فرقوں نے بھی اتفاق و اتحاد سے اس تحریک کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کی بھرپور معاونت کی ملک میں مرزائیوں سے بائیکاٹ کی اسکیم بڑی کامیابی سے چلی، امتِ مرزائیہ کو اندرون و بیرون ملک چلنا دوبھر ہو گیا، عوام و حکام، حزبِ اقتدار وحزبِ اختلاف نے بڑی سنجیدگی سے اس ناسور کو ہمیشہ کے لئے ختم کرنے کا تہیہ کر لیا البتہ مولوی عبدالحکیم ہزاروی دیوبندی، مولوی غلام غوث ہزاروی دیوبندی اور ان کے چند حواریوں کے سوا پاکستان میں ایک بھی ایسا آدمی نہ تھا جو اس تحریک کی راہ میں روڑا بنا ہو۔

اسمبلی کے اندر اور باہر ملک کے ہر شہر اور قصبہ میں تحریک زوروں پر چل رہی تھی، حکومت نے گرفتاریوں کا وسیع سلسلہ شروع کر رکھا تھا، سینکڑوں عاشقانِ مصطفیٰ جیلوں میں ٹھونس دیئے گئے، کئی خوش قسمت پروانہ وار شمعِ نبوت پر جان کا نذرانہ پیش کرتے ہوئے شہادت کی نعمتِ عظمیٰ سے سرفراز ہوئے۔

لاہور میں تحریک کو نہایت کامیابی سے چلانے کا سہرا جامعہ نظامیہ رضویہ کے باہمت اور غیور مدرسین وطلباء کے سر ہے جن کے شب و روز اس مشن کی تکمیل کے لئے وقف تھے۔ حکومت کی نظر میں جامعہ کا یہ اقدام نا قابلِ برداشت تھا چنانچہ عتاب نازل

ہوا اور پہلی فرصت میں جامعہ کے ممتاز علماء میں سے مولانا سید غلام مصطفیٰ عقیل، مولانا غلام ربانی قمر، مولانا حافظ منظور الحق ہاشمی کو گرفتار کر کے جیل میں بند کر دیا گیا۔ مولانا محمد اسمٰعیل ہزاروی کے وارنٹ گرفتاری جاری ہوئے ابھی ان کی جیل جانے کی نوبت نہیں آئی تھی کہ حکومت نے تحریکِ ختمِ نبوت کی کامیابی کو محسوس کر لیا کیونکہ قید و بند کی صعوبتوں اور گولیوں سے عاشقانِ مصطفیٰ کے جذبات کو ٹھنڈا نہ کر سکی بلکہ حکومت کے اس اقدام ہی نے اسے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کیا۔

حضرت مولانا محمد صدیق ہزاروی مدرس جامعہ ہذا مجلسِ عمل تحفظِ ختم نبوت لوہاری منڈی کے سربراہ کی حیثیت سے اپنی مساعی جمیلہ کو بڑے احسن طریقہ سے بروئے کار لاتے رہے۔ قومی اسمبلی میں جمعیۃ العلماء پاکستان کے نمائندوں کو بعض کتب کی ضرورت پڑی تو جامعہ نے بڑی مستعدی سے یہ فریضہ بھی انجام دیا۔ مئی ۱۹۷۴ء سے ۷ر ستمبر ۱۹۷۴ء تک جامعہ ہذا نے اس تحریک کو کامیاب بنانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے بجاہِ حبیبہ الاعلیٰ اس تحریک کو مثالی کامیابی عطا فرمائی اور مسلمانان پاکستان کو ۷ر ستمبر ۱۹۷۴ء\۱۹ر شعبان ۱۳۹۴ھ بروز ہفتہ کا وہ مبارک اور تاریخی لمحہ نصیب ہوا جس میں متفقہ طور پر قومی اسمبلی میں چودھویں صدی کے اس دجال و کذاب مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کی امت کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا گیا اور آئینِ پاکستان میں نئی دفعات کا اضافہ کیا گیا۔

چونکہ قائدِ اہلسنت مولانا الحاج الحافظ شاہ احمد نورانی صدیقی صدر جمعیۃ العلماء پاکستان، مجاہدِ ملت مولانا الحاج عبد الستار خاں نیازی، علامہ عبد المصطفیٰ الازہری، مولانا سید محمود احمد رضوی، مولانا سید محمود شاہ گجراتی رحمہم اللہ تعالیٰ اور دیگر اکابرِ اہلِ

سنت نے قومی اسمبلی کے اندر اور باہر اس تحریک میں عدیم النظیر کردار انجام دیا تھا اس لئے ان اکابر کی خدمت میں جامعہ نظامیہ رضویہ نے ہدیۂ تبریک پیش کرنے کے لئے دعوتِ استقبالیہ کا اہتمام کیا اور مؤرخہ ۲۰؍شوال ۱۳۹۴ھ؍۲۶؍اکتوبر ۱۹۷۴ء جامعہ میں عظیم الشان اجتماع ہوا، پاکستان کے چاروں صوبوں کے علاوہ آزاد کشمیر کے نمائندوں اور سوادِ اعظم کے عوام وخواص نے اپنے قائدین کا بڑی گرمجوشی سے استقبال کیا۔ جامعہ کی تاریخ میں اپنی نوعیت کا یہ مثالی اجتماع تھا جس میں اہلِ سنت و جماعت کے اکابر علماء کثیر تعداد میں تشریف لائے۔ قائدینِ جمعیۃ العلماء پاکستان نے حاضرین سے تین گھنٹے تک خطاب فرمایا، جامعہ کی تاریخ میں اور بھی ایسے واقعات ہیں جو بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔

۱۹۶۲ء میں فتنۂ شورش نے سر اٹھایا تو اسے کچلنے کے لئے جامعہ کے طلباء و مدرسین نے ہر سطح پر انقلابی کردار انجام دیا۔ ایک طرف اشتہار، پمفلٹ، کتابچے، رسائل اور اخبارات کے ذریعہ تحریری محاذ سنبھالے رکھا تو دوسری طرف ہر جگہ اجلاس منعقد کر کے اس کا استیصال کیا۔ موچی گیٹ کے تاریخی اجلاس کا انعقاد جامعہ کا ایسا سنہری کارنامہ ہے جسے بھلایا نہیں جا سکتا۔ مخالفین نے اس اجلاس کو ناکام بنانے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی، باغ میں پانی چھوڑ دیا گیا، لائٹ اور لاؤڈ سپیکر کے نظام کو درہم برہم کرنے کے علاوہ غنڈوں نے عوام کو پریشان کرنے میں بھی اپنی سی کوششیں کیں مگر مخالفین کا ہر حربہ ناکام بنا دیا گیا۔ ملک بھر سے اکابر علماء و مشائخِ کرام کی بڑی تعداد نے شمولیت فرمائی۔ اس اجلاس کے انعقاد سے دشمن کے منصوبے خاک میں مل گئے۔ سوادِ اعظم کی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ ہوا۔ جامعہ نظامیہ رضویہ کے طلباء

کے اس ایثار و قربانی کو اکابر نے بے حد سراہا۔ سلطان المناظرین مولانا محمد عمر اچھروی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر ممتاز علماء نے ان کی حوصلہ افزائی کے طور پر خصوصی انعام سے نوازا۔

القصہ سوادِ اعظم پر جب بھی کوئی نازک وقت آیا جامعہ نے تن من دھن کی بازی لگادی اور کوئی ایسا موقع نہیں آیا جس سے کبھی پہلو تہی کی ہو۔

تنظیم المدارس اہلِ سنت کا قیام

مئی ۱۹۶۰ء تنظیم المدارس الاسلامیہ پاکستان کے نام سے سنی مدارس کی ایک تنظیم کا ڈھانچہ تشکیل دیا گیا تھا اور اس کے قواعد و ضوابط بھی شائع ہوئے لیکن وہ تنظیم کامیابی سے ہمکنار نہ ہو سکی حتیٰ کہ ایک مدت بعد اس کا نام تک بھی سننے میں نہ آیا۔ وقت گزرتا گیا، اہلِ سنت پر روایتی جمود طاری رہا، ملکی حالات دن بدن رخ بدلتے گئے، سیاسی حالات نے کچھ ایسا پلٹا کھایا کہ اہلِ سنت و جماعت کو اپنے حقوق کے تحفظ کا قدرے خیال آیا۔ نئی احتیاجات اور مشکلات کا سامنا ہونے پر تنظیم المدارس کا شدت سے احساس پیدا ہوا چنانچہ سنی مدارس کے وفاق کے احیاء کے لئے دار العلوم امجدیہ کراچی سے تحریک پیدا ہوئی، شیخ الحدیث علامہ الحاج عبد المصطفیٰ الازہری کی سرپرستی میں کراچی اور سندھ کے علماء کی مشاورتی مجالس منعقد ہوئیں، وہاں طے پایا کہ تنظیم المدارس کے احیاء کے لئے ملک گیر کنونشن بلایا جائے اور تحریک کا مرکز پنجاب ہو۔

چنانچہ اکابر علماء کی نگاہِ انتخاب حضرت مولانا مفتی محمد عبد القیوم ہزاروی پر

پڑی، علماء کے ارشاد پر حضرت موصوف نے کنونشن کے انعقاد کے لئے شب و روز ایک کر دیئے، تقریباً ایک ماہ کی محنتِ شاقہ کے بعد ۱۴/ ذوالحجہ ۱۳۹۳ھ ۹/ جنوری ۱۹۷۴ء کو دو بجے کنونشن کا پہلا باقاعدہ اجلاس ہوا۔ اس وقت تک نمائندہ مدارس کے تقریباً تمام مندوبین تشریف لا چکے تھے۔ یہ عظیم اجتماع قابلِ دید تھا، اکابر علماء و مشائخ کرام کا جمِ غفیر تھا، محبت و اخوت اور خلوص و نیاز کے بھرپور مظاہرے اس کنونشن کی جان تھے۔

کنونشن کے تین اجلاس ہوئے اور بہت سے بنیادی امور متفقہ طور پر منظور کئے گئے تنظیم کا نام، نصابِ تعلیم اور دفاتر پر سیر حاصل تبصرے ہوئے، تنظیم کو فعال اور مؤثر بنانے کے لئے سرمایہ کی فراہمی پر تجاویز پاس ہوئیں، عہدے دار اور مجلسِ عاملہ کے اراکین منتخب ہوئے۔ مرکزی دفتر لاہور اور صوبائی دفتر راولپنڈی اور کراچی قائم کئے گئے اور متفقہ طور پر مفتیٔ اعظم پاکستان علامہ ابوالبرکات دامت برکاتہم کو صدر، علامہ محمد عبدالقیوم ہزاروی کو ناظمِ اعلیٰ جبکہ علامہ سید حسین الدین شاہ صاحب اور علامہ وقار الدین صاحب کو صوبائی ناظم منتخب کیا گیا۔ انتخاب کے بعد ناظمِ اعلیٰ نے مرکزی عہدیداروں کے مشورہ سے تنظیم کے قواعد وضوابط اور نصابِ تعلیم (تمام درجات) تجویز کرنے کے لئے دو کمیٹیاں (نصاب کمیٹی، دستور کمیٹی) بنائیں۔ تنظیم المدارس کا یہ کنونشن پوری کامیابی سے اختتام پذیر ہوا اور جن بنیادوں پر استوار کیا گیا تھا بفضلہٖ و کرمہ تعالیٰ تنظیم نے اپنے قیام سے آج تک انتہائی جانسوزی سے ان بنیادوں کو مضبوط سے مضبوط تر کیا۔ نصابِ تعلیم کے مطابق تحریری امتحان (سالانہ) گورنمنٹ کے طریقہ کار کے مطابق شروع کر دیئے گئے۔ مطبوعہ امتحانی پرچے انتہائی رازداری

سے امتحانی مراکز میں پہنچائے جاتے ہیں، ممتحن حضرات معینہ مدت میں حل شدہ پرچے مرکز میں پہنچا دیتے ہیں اور پھر مرکز صاحبِ علم اور تجربہ کار حضرات کی خدمت میں پرچے ریمارکس کے لئے بھیجتا ہے، تقریباً دو ماہ کے اندر نتائج کا اعلان شائع کر دیا جاتا ہے، یہ اتنا محنت طلب کام ہے کہ اچھے خاصے سٹاف کی ضرورت پڑتی تاہم مفتی صاحب کے ایثار و قربانی کا ثمرہ ہے کہ امتحانات میں کافی کامیابی حاصل ہو رہی ہے۔

تحریری امتحان میں کامیاب طلباء کو سند دی جاتی ہے جس کا عکس اس کتابچہ میں دیدیا گیا ہے، کامیاب طلباء میں اول، دوم اور سوم آنے والوں کی انعام سے مزید حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔

قواعد و ضوابط کے مطابق تنظیم المدارس کا سالانہ اجلاس بلایا جاتا ہے، دن بدن تنظیم المدارس میں سنی مدارس قرطاسِ رکنیت پر کر کے اضافہ کا سبب بن رہے ہیں، طلباء نے انتہائی دلچسپی سے تنظیم کے منظور شدہ نصاب کو اپنا لیا ہے نیز طلباء کے شعور کو مزید جلا بخشنے کیلئے تحقیقی، ادبی، تاریخی اور فنی مضامین کو بھی امتحان کی ایک جزو بنالیا گیا ہے جس سے انتظامیہ کے حسنِ تدبر اور گہرے لگاؤ کا پتہ چلتا ہے۔ ناظمِ اعلیٰ تنظیم المدارس کی شبانہ روز کوششوں کا نتیجہ ہے کہ اس تنظیم کو ملکی دستور میں شامل کرانے کی تحریک قومی اسمبلی میں بھی پیش کی جا چکی ہے جبکہ رجسٹرڈ پہلے ہی ہو چکی ہے۔ اب تو مخالفین بھی اس تنظیم کی ہمہ گیری کے معترف ہیں۔

تفصیلی معلومات کے لئے ماہنامہ عرفات، لاہور بابت اگست و ستمبر ۱۹۷۴ء تنظیم المدارس نمبر ملاحظہ فرمائیے یا مرکزی دفتر واقع جامعہ نظامیہ رضویہ سے مطبوعہ لٹریچر حاصل کیجئے۔

جامعہ کا عملہ

۱۔ بقیۃ السلف حضرت مولانا محمد مہر الدین صاحب نقشبندی جماعتی، شیخ الحدیث۔

۲۔ حضرت مولانا مفتی محمد عبد القیوم صاحب قادری رضوی، استاذ الحدیث و ناظمِ اعلیٰ۔

۳۔ مولانا محمد عبد الحکیم شرف قادری، (صدر مدرس) استاذ الحدیث

۴۔ مولانا محمد رشید صاحب نقشبندی۔

۵۔ مولانا گل احمد صاحب قادری۔

۶۔ مولانا محمد صدیق صاحب ہزاروی۔

۷۔ مولانا حافظ عبد الستار صاحب نظامی۔

۸۔ مولانا سید غلام مصطفیٰ صاحب عقیل۔

اساتذۂ تجوید

۱۔ مولانا قاری الٰہی بخش صاحب نوری (صدر مدرس)

۲۔ مولانا قاری کرم داد فاروقی صاحب۔

۳۔ مولانا قاری غلام مصطفیٰ صاحب۔

اساتذۂ حفظ القرآن

۱۔ قاری ظہور احمد صاحب سیالوی ۲۔ قاری نذیر احمد صاحب قادری

۳۔ قاری محمد ارشد صاحب ۴۔ قاری محمد ظفر صاحب

۵۔ قاری اظہار الحق صاحب قادری

ناظمِ دارالاقامہ:

مولانا غلام فرید صاحب ہزاروی، محصّل: مولانا سیف الرحمٰن صاحب

ناظمِ دفتر:

صوفی فضل حسین صاحب چشتی سیالوی

ناظمِ دارالکتب:

مولانا محمد صدیق صاحب ہزاروی

علاوہ ازیں:

باورچی، چوکیدار اور خاکروب کی خدمات بھی حاصل کی گئی ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆

جامعہ نظامیہ رضویہ اکابر اسلام کی نظر میں

﴿الشیخ ابوبکر القادری، مدیر مجلة الایمان الرباط ورئیس﴾

﴿النہضة الاسلامیة المغرب، (مراکش)﴾

بِسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم و االصلٰوۃ والسلام

علٰی سید المرسلین و اٰلہٖ وصحبہٖ اجمعین

لقد ھیأت لنا الاقدار زیارۃ ھذہ لجامعة النظامیة

الرضویة فوجدنا بین جدرانھا طلبة و اساتیذ

مقبلین علٰی تعاطی العلوم الاسلامیة بحزم و

نشاط کما اطلعنا المسٔولون عن تیسیرھا علٰی

کیفیہ تیسیرھا و سیر الدروس فیھا و نوع

الشھادات والاجازات التی ینالھا المتخرج منھا

ولقد زاد فی سرورنا ان الجامعة لاتھتم

بالدروس العلمیة فحسب وانما تعطی اھمیة

خاصة للتقویم الخلقی والاصلاح النفسانی

فجزا اللّٰہ العالمین بھذہ الجامعة والساھرین

علٰی تیسیرھا و بارک فی عملھم و جعلھم

سائرین دائما فی خط السلف الصالح واللّٰہ ھو

الموفق وھو حسبنا ونعم الوکیل وصلی اللّٰہ
علیٰ سیدنا محمد والہ وصحبہ وسلم.

۶/ربیع الاول ۱۳۹۵ھ/ ۱ مارس ۱۹۷۵ء

ترجمہ:

حمد وصلوٰۃ کے بعد ____ خوش قسمتی سے ہمیں جامعہ نظامیہ رضویہ کو دیکھنے کا موقع ملا تو ہم نے اس میں طلبہ اور اساتذہ کو علومِ اسلامیہ کی تعلیم و تعلم میں پوری جدوجہد کے ساتھ مصروف پایا، جیسا کہ منتظمین مدرسہ نے ہمیں انتظامات و تعلیمی نظام کے بارے میں بتایا اور فارغ التحصیل ہونے والے فضلاء کو دی جانے والی مختلف شعبہ جات کی سندات دکھائیں۔ ہمیں یہ جان کر بڑی خوشی ہوئی کہ جامعہ میں صرف تعلیمی نصاب پڑھانے پر ہی توجہ نہیں دی جاتی بلکہ اصلاحِ اخلاق اور تزکیۂ نفس کو بھی خاص اہمیت دی جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ اس جامعہ کے منتظمین اور کارکنوں کو جزائے خیر عطا فرمائے، ان کے عمل میں برکت دے اور انہیں سلف صالحین کے نقشِ قدم پر ہمیشہ چلنے کی ہمت دے

واللّٰہ الموفق وھو حسبنا ونعم الوکیل و صلی اللّٰہ علیٰ سیدنا محمد وآلہ وصحبہ وسلم.

﴿الفاضل الشہیر مولانا الشیخ محمد بن عبد القادر المنونی﴾

﴿الرباط، المغرب (مراکش)﴾

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم ط

الحمد للہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ مولانا رسول اللّٰہ واٰلہ وصحبہ من حسن حظ الاسلام ان ھیأ اللّٰہ سبحٰنہ فی کل عصر وجیل جماعۃ ینشرون ھدیہ ویبثون معارفہ وکان لبلاد الباکستان فی ھذا الاتجاہ النصیب الکبیر والحظ الموفور وقد اسعدنی الحظ بزیارۃ الجامعۃ النظامیۃ الرضویۃ ببلدۃ لاھور حیث طفت طوافا سریعا علیٰ بعض حجراتھا واجتمعت ببعض شیوخھا رأیت و سمعت مایقر العین وینشف الاذن یثلج الصدر، جماعۃ مؤمنۃ وطلبۃ موفورون یتلقون علوم القراٰن والحدیث وسائر المواد الدینیۃ حتی اذا تموا دراستھم یحرزون علی اجازات من نفس الجامعۃ لیقوموا من جھتھم بنشر الدین وعلومہ حتی یتحد حبل العلم ویمتد سندہ مابقیت الدنیا

بارک اللّٰہ سبحانہ فی الجامعة وشیوخها وطلابها وفی کل من یعینهم فی مسعاهم الحمید وعملهم المجید. والسلام

فی لیلة الاثنین سابع ربیع النبوی الانور عام۱۳۹۶ھ\۱ ؍مارس۱۹۷۶ء

ترجمہ:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد وصلوٰۃ کے بعد ــــــ دینِ اسلام کی خوش قسمتی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر زمانے اور ہر قوم میں ایسی جماعت تیار کر دی جو اس کے پیغام کو پھیلائے اور اسکی تعلیمات کو عام کرے، خطۂ پاکستان کو اس سلسلہ میں بہت بڑا حصہ حاصل ہے، خوش بختی سے مجھے جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور کو دیکھنے کا اتفاق ہوا، جب میں نے بڑی عجلت میں اس کے کچھ کمرے دیکھے اور جامعہ کے بعض اساتذہ سے ملاقات کی تو میں نے وہ کچھ دیکھا اور سنا جس سے آنکھوں کو ٹھنڈک، کانوں کو فرحت اور دل کو انبساط حاصل ہوا۔ متدین طلبہ کی بڑی تعداد قرآن وحدیث اور دیگر علومِ دینیہ کی تحصیل میں مصروف ہیں، جب وہ اپنی تعلیم مکمل کر لیتے ہیں تو انہیں جامعہ کی طرف سے سند دی جاتی ہے تاکہ وہ دین کی تبلیغ اور علومِ دینیہ کی ترویج کا کام انجام دے سکیں، اس طرح علمی سلسلہ کی سند رہتی دنیا تک مربوط طور پر برقرار رہ سکے گی۔

اللہ تعالیٰ جامعہ، اس کے اساتذہ، طلبہ اور معاونین کی مساعی جمیلہ اور قابلِ قدر عمل میں برکت عطا فرمائے۔

﴿ناصر الشریعۃ الاسلامیۃ الشیخ طٰہٰ یاسین عباس الحسناوی﴾

بغداد (العراق)

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم ط

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلوٰۃ علیٰ نبینا محمد واٰلہ الطیبین الطاھرین وعلیٰ صحبہ الکرام والتابعین لہ باحسن الیٰ یوم الدین وبعد فقد تشرفت بزیارۃ الجامعۃ النظامیۃ الرضویۃ فی لاھور وتجولت فی اقسامھا ومکتبھا ومسجدھا واجتمعت بالاساتذۃ الفضلاء والمشائخ العلماء ووقفت علیٰ بعض دروس وعفت احوال طلابھم وتلامذتھم فوجدت حیرنی فی وصفہ واذھلنی فی ذکرہ اذرأیت الاساتذۃ مکبین علی الدرس والتدریس وانھا وان کانت دروسھم وتدریسھم علی القاعدۃ القدیمۃ الا انھا تبشر بالخیر وتنبئ عن حسن قیامھم بمھمتھم الدینیۃ الشرعیۃ وھکذا المشائخ الکرام فانھم مجدون ومجتھدون فی شرح السنۃ والحدیث وتدریسھا لمنتبے

الجامعة وتفهيمها لغيرهم عند الحاجة فجزاهم

اللّٰه خير الجزاء و اوفرلهم المثوبة والعطاء.

وانى اذا كتبت كلمتى هذه فى سجل الزيارات

ادعو اللّٰه العلى القدير ان يأخذ بايدى العاملين

من اجل خدمة الدين الاسلامى الحنيف ونشر

علوم الشريعة السمحاء وان يوفق الباذلين

والمتبرعين لمساعدةهذه الجامعة امدهم اللّٰه

بلطفه وتوفيقه هدانا اللّٰه جميعا الى الصراط

المستقيم ونفعنا بركة الاسلام ونبوة سيد

الانبياء و خاتم المرسلين محمد واله الطيبين

وصحبه الصالحين.

۱۰/جمادی الاولیٰ۱۳۹۶ھج

ترجمہ:

حمد وصلوٰۃ کے بعد ______ میں جامعہ نظامیہ رضویہ کی زیارت سے مشرف ہوا اور میں نے اس کے شعبہ جات، کتب خانہ اور مسجد کو چل پھر کر دیکھا اور جامعہ کے فاضل اساتذہ اور علماءِ کرام سے ملا اور بعض اسباق پر آگاہی حاصل کی اور طلبہ کے کوائف معلوم کئے۔

میں اساتذہ کرام کا درس وتدریس میں انہاک دیکھ کر حیران اور دم بخود رہ گیا، ان کے درس وتدریس کا طریقہ اگرچہ قدیم ہے تاہم یہ خیر وبرکت کی بشارت ہے اور

مقاصدِ شرعیہ کی بہترین ادائیگی کی علامت ہے، اسی طرح جامعہ کے مشائخِ کرام کو میں نے طلبہ کے لئے حدیث و سنت کی تشریح و تدریس اور بوقتِ ضرورت دوسروں کو سمجھانے میں کوشاں پایا اللہ تعالیٰ انہیں بہترین جزاء اور بے حساب اجر و ثواب سے نوازے۔

میں معائنہ بک میں یہ الفاظ لکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ دینِ اسلام کی خدمت اور علومِ شرعیہ کی اشاعت کی بنا پر اراکینِ جامعہ کی دستگیری فرمائے اور اربابِ ثروت کو اس جامعہ کی امداد کی توفیق دے، ان معاونین کو اللہ تعالیٰ اپنے لطف و کرم سے نوازے۔

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسلام اور حضور ﷺ کی نبوت کی برکت سے ہم سب کو راہِ راست پر ثابت قدم رکھے۔

﴿الشیخ الاستاذ العلامہ عبدالجواد خلف عبدالجواد﴾

(من علماء الازہر الشریف مصر)

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم ط

الحمد للّٰہ وسلام علٰی رسولہ وبعد فانہ من حسن الصدق ان یعیش الانسان دائما فی رضاب العلم والعلماء ولقد سعدت الیوم بزیارۃ جامعتکم العظیمۃ الجامعۃ النظامیۃ وتشرفت بحضور ختام البخاری الشریف زادکم اللّٰہ من انوارہ شرفا وتکریما زیادۃ فی ایمانکم وتوفیقا فی اعمالکم ومضاعفت لاجرکم وامتداد الرزقکم واموالکم واولادکم وامدکم بفیضہ الکریم بقدر ماتتأملون فی خزائن اللّٰہ التی لاتنفد الٰی یوم القیٰمۃ.

وانی لارجو اللّٰہ تعالیٰ ان یعزبکم وبمدارسکم وجامعاتکم الاسلام وان یرفع بکم شان المسلمین فی کل ارجاء الدنیا. ھٰذا و باللّٰہ التوفیق.

تحریرا فی ۲۵ رجب ۱۳۹۶ھ/۲۴-----۶-۱۹۷۶ء

ترجمہ:

حمد وسلام کے بعد______ کسی انسان کی یہ خوش قسمتی ہے کہ وہ اہلِ علم اور علماء حضرات میں اپنی زندگی بسر کرے، آج میں نے آپ کے عظیم جامعہ، جامعہ نظامیہ کی زیارت سے سعادت حاصل کی اور بخاری شریف کے ختم میں حاضری سے مشرف ہوا۔ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے انوار سے ایسا مشرف ومکرم فرمائے کہ اس سے آپ کے ایمان میں زیادتی، اعمال کی توفیق اور اجر میں اضافہ، رزق، مال اور اولاد میں وسعت ہو، اور جب تک آپ حضرات اللہ تعالیٰ کے لافانی خزانوں میں غور وفکر کرتے رہیں، اس وقت تک وہ اپنے فضل وکرم سے آپ کی امداد کرے، مجھے اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ وہ آپ اور آپ کے مدارس کے سبب اسلام کو سربلند فرمائیگا اور تمہاری وجہ سے اطرافِ عالم کے مسلمانوں کو رفعتِ شان عطا فرمائے گا۔

شیخ المحدثین، مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت علامہ سید ابوالبرکات صاحب مدظلّہ

(دارالعلوم حزب الاحناف، لاہور)

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین۔ مجھے جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور کو دیکھنے کا اتفاق ہوا، بحمدہٖ تعالیٰ بہترین عمارت، عمدہ نظم ونسق اور درس وتدریس کے اچھے انتظام سے دلی مسرت ہوئی، مولائے کریم جل مجدہ العظیم اہلِ سنت و جماعت کی اس عظیم درس گاہ کو تاقیامت قائم و دائم رکھے اور مسلکِ اہلِ سنت کی بیش از بیش خدمت کی توفیق عنایت فرمائے اور دشمنوں کی نگاہِ بد سے محفوظ رکھے۔

غزالیٔ زمان علامہ سید احمد سعید کاظمی شیخ الحدیث انوار العلوم ملتان

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم والہ وصحبہ اجمعین

اما بعد فقیر ناکارہ آج ۹/ربیع الآخر ۱۳۹۵ھ\ مطابق ۲۲/اپریل ۱۹۷۵ء کو جامعہ نظامیہ لاہور حاضر ہوا۔ مدرسہ نظامیہ کو دیکھ کر نہایت مسرت ہوئی۔ حضرت مولانا مفتی محمد عبدالقیوم مدظلہم العالی اس جامعہ کے سربراہ ہیں، نہایت ذی خلق، کریم النفس اور بہترین عالم و فاضل ہیں۔ الحمد للہ اس جامعہ نظامیہ کے مختلف شعبوں مثلاً حفظ قرآن مجید، تجوید وقرأت، درسِ نظامی میں مجموعی طور پر چودہ مدرس ہیں، تین سو کے قریب طلباء ہیں، مطبخ، دارالاقامہ، کتب خانہ، دارالافتاء، درس گاہوں کے علاوہ ہیں۔ مدرسہ کا حسنِ انتظام دیکھا، طبیعت بہت خوش ہوئی، بفضلہٖ وکرمہ تعالیٰ تصنیف وتالیف

کا معتد بہ کام بھی جامعہ نظامیہ میں ہو رہا ہے جس کا سہرا مہتمم صاحب موصوف اور حضرت مولانا محمد عبدالحکیم صاحب مدرسِ اعلیٰ کی جبینِ سعادت پر ہے۔ اللہ تعالیٰ اہل سنت کی اس عظیم درس گاہ کو اس سے اور زیادہ قوت و استحکام عطا فرمائے۔ آمین

رئیس المدرسین علامہ الحاج حافظ عطا محمد چشتی گولڑوی، بندیال شریف

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم. الحمد للہ وحدہ والصلوٰۃ والسلام علٰی من لا نبی بعدہ وعلٰی الہ واصحٰبہ وسلم.

امابعد:

یہ فقیر بہت مدت سے جامعہ نظامیہ سے متعارف ہے، جامعہ موصوف جس طرح روحانی وجسمانی طور پر ترقی پذیر ہے بندہ اس سے بے حد متاثر ہے، روحانی کامیابی تو یہ ہے کہ جامعہ نظامیہ درسِ نظامی کی تدریس وتعلیم میں نہایت تیزی سے کوشش کرنیکی وجہ سے اسم با مسمّٰی ہے اور بندہ بھی علوم اسلامیہ کی ترقی کو فی الحقیقت صرف درسِ نظامی کی ترویج میں مضمر سمجھتا ہے، ہمارے علماء اہل السنہ نے جو شہرہ آفاق ترقی حاصل کی ہے تو اس کی وجہ صرف ان کی اسی درس نظامی میں مہارت ہے اور اسی نظامِ تعلیم کی وجہ سے انہوں نے بے بہا اسلامی خدمات کی ہیں، ان علماء کی شہرت کسی مغربی تعلیم اور جدت کی مرہونِ منت نہیں ہے اور جامعہ نظامیہ کی جسمانی ترقی یہ ہے کہ بے شمار مشکلات اور نہایت کمزور وسائل کے باوجود ایک عالی شان عمارت قائم کی ہے جو کرامت کا درجہ رکھتی ہے اور اس فقیر کو ان تمام موانع اور مشکلات کا پورا علم ہے بندہ یہی دعا کرتا ہے کہ مولیٰ تعالیٰ بجاہ نبیہ ﷺ جامعہ موصوف کو اس روحانی وجسمانی ترقی میں مزید کامیابی سے سرفراز فرمائے اور معاونینِ جامعہ کو اس کارِ خیر میں حصہ لینے

کی زیادہ توفیق عطا فرمائے خصوصاً عزیز القدر جناب علامہ مولوی محمد عبدالقیوم صاحب کی کوشش اور سعی کو قبول فرما کر مزید توفیق خیر رفیق ارزانی فرمائے کیونکہ علامہ موصوف کی جدوجہد جامعہ کی ترقی میں مرکزی نقطہ کا کردار انجام دے رہی ہے۔

۱۴/ذوالحج ۱۳۹۶ھ/۹/جنوری ۱۹۷۶ء

استاذ العلماء مولانا غلام رسول شیخ الحدیث جامعہ رضویہ مظہر الاسلام لائلپور

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم ط الحمد للّٰہ رب العٰلمین والصلٰوۃ والسلام علٰی سید الانبیاء والمرسلین واٰلہ وصحبہ اجمعین.

امابعد:

آج ۱۵ /رمضان المبارک جامعہ نظامیہ رضویہ حاضر ہونے کا اتفاق ہوا، عزیزم فاضلِ نوجوان محمد عبدالقیوم سلمہ کی مساعیِ جمیلہ سے مسرت ہوئی، عمارات حسنِ اہتمام اور مدرسہ کی جملہ ضروریات کی تکمیل میں بڑی ہمت کے علاوہ ازیں دینی خدمات کا جذبہ ان کے دل و دماغ میں موجزن ہے اور مشعلِ احیاءِ ملت سے عوام و خواص کو بیدار کرنا ان کا مشغلہ ہے۔ جامعہ نظامیہ کے ارتقاء اور ارتفاع میں کافی سے زیادہ مستعد ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی مساعیِ جمیلہ کو قبول فرما کر اجرِ عظیم عطا فرمائے۔

۱۲/۹/۷۵

مولانا سید جلال الدین شاہ بانی و مہتمم جامعہ رضویہ نوریہ بھکھی شریف (گجرات)

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم. آج مورخہ ۷۴/۱/۹ کو بسلسلہ تنظیم المدارس مدعو کیا گیا، یہاں پہنچ کر بہت ہی خوشی ہوئی، مفتی محمد عبد القیوم صاحب کی سعی قابلِ صد فخر ہے، مفتی صاحب ایک مجاہد شخص ہیں، معاملات مذہبی کے سرگرم کارکن ہیں۔ اہل سنت اور علماءِ اہلسنت کے خیر خواہ ہیں اور علومِ دینیہ کے خادم ہیں۔ میری دعا ہے کہ خداوند عزوجل علوم دینیہ میں ترقی عطا فرمائے اور استقامت فی الدین عطا فرمائے۔

۷۴۔۱۔۹

استاذ العلماء علامہ مفتی محمد وقار الدین، ناظمِ تعلیمات دار العلوم امجدیہ، کراچی

نحمده ونصلی علی رسوله الکریم. آج دوسری مرتبہ مجھے جامعہ نظامیہ میں آنے کا اتفاق ہوا۔ عمارت کی خوبی و متعلقینِ جامعہ کی حسنِ کارکردگی کو دیکھ کر دل باغ باغ ہو گیا یہ تمام ترقیاں نتیجہ ہیں مولانا محمد عبد القیوم صاحب کے خلوص و بے انتہا مسلسل جانفشانی سے کوششوں کی، خاص طور پر مولانا موصوف نے اس اجتماع منتظمین مدارس کے موقع پر جس خلوص و محبت سے مہمان نوازی فرمائی اس کی مثال نہیں پیش کی جا سکتی۔ میری دعائیں ہیں کہ مولیٰ تعالیٰ جامعہ کو مرکز علوم بنائے اور مولانا محمد عبد القیوم صاحب و دیگر مدرسین و طلبہ و متعلقینِ جامعہ کی مساعی کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے آمین بجاہ حبیبہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

استاذ العلماء مولانا مفتی محمد حسین صاحب نعیمی مدظلہ مہتمم جامعہ نعیمیہ، لاہور

آج ۲۴ر اگست، لاہور کی عظیم الشان اور پر وقار تقریب بسلسہ ختمِ بخاری شریف میں شرکت کی سعادت حاصل ہوئی، بحدہٖ تعالیٰ جامعہ نظامیہ رضویہ اہلِ سنت کی ایک معیاری دینی درس گاہ ہے، کثیر طلبہ اور فاضل اساتذہ سے مل کر نہایت مسرت وانبساط حاصل ہوا، حضرت العلام مفتی محمد عبد القیوم صاحب ناظم دار العلوم ہذا کا حسنِ انتظام اور ان کی پر خلوص محنت و جانفشانی کے ثمرات جامعہ نظامیہ رضویہ کی عظیم عمارت کی صورت میں عوام وخواص اہلسنت کے سامنے ہیں، مولا تعالیٰ مزید خیر و برکت کا فیضان فرمائے۔ آمین

قائدِ اہلسنت مولانا الحاج شاہ احمد نورانی صدیقی صدر جمعیۃ العلماء پاکستان

وصدر ورلڈ اسلامک مشن (بریڈفورڈ، لندن)

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم. الحمد للّٰہ وحدہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیدنا ومولانا محمد ﷺ الذی لانبی بعدہ وعلیٰ اٰلہ واصحابہ ومن والاہ.

آج دار العلوم جامعہ نظامیہ رضویہ میں حاضر ہوا۔ دار العلوم کی عظیم الشان عمارت واقامت گاہ اور پھر طلباء سے ملاقات کا موقع میسر ہوا، حضرت مولانا مفتی محمد عبد القیوم صاحب دامت برکاتہم کی مساعی قابل مبارک باد ہیں۔ جامعہ نظامیہ اہلِ سنت کے ایک عظیم مرکزی دار العلوم کی حیثیت سے ابھر رہا ہے اور انشاء اللہ حضرت

مفتی صاحب مدظلہ کی سرپرستی میں مزید ترقی کے مدارج طے کریگا۔

مولا تعالیٰ جامعہ نظامیہ کو تا ابد اہلسنت کے مرکز کی حیثیت سے قائم رکھے

آمین ثم آمین ۲۸/۱۲/۹۵

مجاہدِ ملت مولانا الحاج عبدالستار خاں نیازی مرکزی سیکرٹری جمعیۃ العلماء پاکستان

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم. نحمدہ ونصلی علٰی
رسولہ الکریم

جامعہ نظامیہ رضویہ مدبّر، مخلص اور باوقار انتظامیہ کی نگرانی میں برق رفتاری کے ساتھ ترقی کی منازل طے کررہا ہے، اس کے تمام شعبے مثالی درجہ رکھتے ہیں، میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ دارالعلوم ہذا کو تعلیم وتدریس کی دنیا میں مینارِ نور بنائے اور نظامیہ بغداد کے نقشِ قدم پر عالمِ اسلام کے لئے بہ ہمہ وجوہ مرکزِ رشدو ہدایت بنائے، آمین بجاہ طٰہٰ و یٰسین صلی اللہ علیہ وسلم

۲۶/۲/۷۶

علامہ محمد شریف شیخ الحدیث جامعہ رضویہ مظہر العلوم، ملتان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم. جامعہ نظامیہ رضویہ کی موجودہ عمارت سے پہلے بھی بندہ متعدد مرتبہ حاضر ہوا ہے قلیل مدت میں جامعہ کی شاندار ترقی اور یہ عظیم الشان عمارت، طلباء کی کثرت، حسینِ انتظام، مدرّسین وطلباء کا اخلاص واخلاق جامعہ کے ناظمِ اعلیٰ حضرت مولانا علامہ استاذ العلماء مفتی محمد عبد القیوم صاحب ہزاروی کی انتظامی قابلیت اور بہترین تربیت اور شبانہ روز محنت کی غماز ہے۔ دعا ہے کہ مولا تعالیٰ بجاہ حبیبہ علیہ الصلوٰۃ والتسلیم جامعہ کو مزید ترقی عطا فرمائے اور حضرت مولانا موصوف کے علم وفضل، خلوص وایثار میں برکت عطا فرمائے۔ ۱۰؍جنوری ۱۹۷۴ء

مولانا ابوالفتح محمد اللہ بخش رحمہ اللہ تعالیٰ، واں بھچراں

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم.

امابعد:

جامعہ نظامیہ رضویہ کا ابتداء سے لے کر آج تک دینی خدمات کا سلسلہ بندہ نے نہایت قریب سے دیکھا جو قدیم طرز کا حامل ہونے کی وجہ سے نہایت مضبوط ہے اور یہی بقاء فنون و مذہب کی اصل مدار ہے اگرچہ شیخ الحدیث علامہ غلام رسول صاحب دامت برکاتہم کے جانے سے مہتمم اعلیٰ مولانا محمد عبد القیوم صاحب کے کندھوں پر شدید بوجھ پڑا تاہم مولانا کی بے حد استقامت، خلوص نے اسے ایسا نبھایا جیسا کہ حق تھا، حرکت میں اور استقامت میں برکت ہوتی ہے، مولانا نے ان دونوں میں قطعاً کوئی کوتاہی نہیں کی جن کے اثرات اب نہایت تیزی سے ظاہر ہونے شروع ہو گئے ہیں اللّٰھم زد فزد، بندہ دعا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بکرم حبیبہ اسے شرفِ قبولیت بخش کر نہایت ترقی کی منازل پر فائز فرمائے۔

حضرت علاّمہ مولانا مفتی سید شجاعت علی قادری، کراچی

نحمده ونصلی ونسلم علیٰ رسوله الكريم
امابعد فقد وفقنی الله تعالیٰ اول مرة بزيارة
الجامعة النظامية الرضوية الكائنة ببلدة لاهور
وكنت لاازال اسمع مذمدة طويلة اسمها ولكن
مافزت فی زيارتها قبل ٨ نيائبر انی رأيت
الجامعة مملوة غنية محلاة بالمحاسن الصورية
والمعنوية لاريب ان الجامعة بهذه المثابة
مرهونة بمساعی المتابعة والجهد المسلسل من
العلامة مولانا مفتی محمد عبدالقيوم زيد مجده
وعم نفعه ومشاركت معاضديه ومعاونيه فی هذا
الارالمهام ومن المسئول ان يوفق العلامة الیٰ
مزيد ومن الله التوفيق. ٨نيائبر ١٩٧٣ء

فخر المدرسین علامہ غلام رسول صاحب سعیدی صدر مدرس جامعہ نعیمیہ لاہور

آج مؤرخہ ۲۵ رر جب ۱۳۹۶ھ کو دار العلوم جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور میں ختمِ بخاری کی تقریبِ سعید میں شرکت کی سعادت حاصل ہوئی۔ جامعہ نظامیہ رضویہ کو میں اپنے طالب علمی کے دور سے دیکھ رہا ہوں اور اکثر و بیشتر یہاں حاضر ہوتا رہتا ہوں۔ بحمدہ تعالیٰ یہ جامعہ حضرت علامہ مفتی محمد عبد القیوم صاحب دامت برکاتہم کے زیرِ اہتمام روز افزوں ترقی پذیر ہے، حضرت علامہ مفتی صاحب کی پُرخلوص اور بے لوث خدمات اور مسلک و ملت کے درد کے سبب جامعہ کا تعلیمی معیار بہت بلند ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ حضرت کی مساعی کو قبول و مشکور فرمائے اور اس جامعہ کو علم و عرفان کا ایک عظیم مینار بنائے اور ان کے عظیم مقاصد کی تکمیل کے لئے انہیں بہترین وسائل عطا فرمائے آمین یارب العالمین بجاہ سید المرسلین۔

مولانا محمد حسن حقانی (ایم۔پی۔اے) سندھ اسمبلی، کراچی

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم. نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم.

آج مؤرخہ ۲۳/ مارچ ۱۹۷۵ء دارالعلوم جامعہ نظامیہ حاضری کا اتفاق ہوا، دارالعلوم کے اساتذہ اور طلباء سے نیاز حاصل کیا بعدہ ادارہ کے تعلیمی اور تعمیری کوائف پر گفتگو ہوئی، ماشاء اللہ ادارہ کی تعمیر اور ساتھ ہی علمِ دین کے فروغ کے علاوہ مدارس کو منظّم کرنے میں مولانا مفتی محمد عبدالقیوم صاحب ہزاروی کی مساعی قابلِ داد ہیں۔ ادارہ کا انتظام و انصرام بھی اچھا پایا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ حضورِ اکرم ﷺ کے توسل سے نہ صرف اس جامعہ بلکہ اہلسنت کے تمام مدارس کو ترقی عطا فرمائے۔ میں ذاتی طور پر مولانا محمد عبدالقیوم صاحب کا مشکور ہوں کہ انہوں نے اس ادارہ میں حاضری کا موقع عنایت فرمایا۔

۲۳/ مارچ ۱۹۷۵ء

زینت القراء قاری غلام رسول مہتمم جامعہ تجوید القرآن صدر بازار لاہور

کافی دنوں کے بعد آج ۲۳/۵/۷۴ کو دارالعلوم جامعہ نظامیہ کے درجۂ تجوید کے امتحان کی غرض سے حاضر ہوا، جامعہ کی بلند و بالا عمارت کو دیکھ کر حیرت انگیز خوشی محسوس کی اور اندازہ ہوا کہ یقیناً مستقبل قریب میں جامعہ ہٰذا ملک کی عظیم دینی درس گاہوں میں ایک ہوگی۔ یہ ترقی و کامرانی منتظمینِ جامعہ خصوصاً حضرت محبی و مخلصی مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ناظمِ اعلیٰ جامعہ ہذا کی جامعہ کے ساتھ عشق کی حد تک وابستگی کا نتیجہ ہے۔ حالاتِ حاضرہ سے پتہ چل رہا ہے کہ مستقبل قریب میں جامعہ ملک کا مثالی ادارہ ہوگا۔

مسلمانوں سے عموماً اور علاقے اور ملک کے مخیّر حضرات سے خصوصاً جامعہ کی زیادہ سے زیادہ ہر ممکن تعاون کی اپیل ہی نہیں بلکہ پاکستان میں نظامِ مصطفیٰ کے اجراء اور مقامِ مصطفیٰ ﷺ کے تحفظ کے لئے نہایت ضروری ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆

تقریظِ منظوم

جناب راجا رشید محمود ایم۔اے، لاہور

آ گیا ہے آج مجھ کو فکرِ تابش کا خیال رَم کرے ہے اس طرف میرے تصور کا غزال
ان کی اس تصنیف سے واضح ہے اب تغییرِ حال جامعہ کی ہے عمارت مظہرِ شانِ جمال
مصطفیٰ کے لطف و رحمت سے، بفیضِ ذوالجلال ہمت و ایثار و قربانی کو کیا خوفِ زوال
اس میں مستقبل کی ہیں رعنائیاں بھی ضَوفگن روئے ماضی پر بھی عہدِ حال کا ہے دستمال
کامرانی ہے قدم بوسِ غلامِ مصطفیٰ ہو یقیں کامل تو کیا ناکامیوں کا احتمال
سرورِ ہر دو جہاں کا لطف تھا، اکرام تھا جس نے ہر زخمِ نہاں کا کر دیا ہے اندمال
راہ میں حائل جو تھے، وہ خائب و خاسر ہوئے سنتِ سرکار پر چلنے کا دیکھا ہے مآل
صاحبِ عزم و عزیمت کے اگر ہاتھوں میں ہو دیں کے جھنڈے کو ہزیمت دے سکے، کس کی مجال
اہلِ دیں کی سرخ روئی کا ہے شاہد اک جہاں سب نے دیکھا دشمنانِ دینِ قیّم کا زوال
دیکھتے ہو تم لوہاری گیٹ کے اندر جو اَب اِک عمارت ہے فلک منظر بصد جاہ و جلال
جامعہ ہے، جو نظامیّہ بھی، رضویّہ بھی ہے اعلیٰ حضرت کے تلطّف سے، بعونِ ذوالجلال
فرضِ تبلیغ اس میں ہوتا ہے ادا شام و سحر اب خدا کے فضل و رحمت سے نہیں کوئی ملال
کس مپرسی کا اک عالم ابتداء میں تھا عیاں جاں چھڑانا تھا بظاہر جس سے اک امرِ محال
مطبخ و دارالاقامہ کا نہ تھا کوئی وجود بے بضاعت تھا رُخِ آغاز پر بہجت کا خال
ابتداء میں تھی رہائش کی، نہ سونے کی جگہ طالب علموں میں بھی تھا ایثار کا اوجِ کمال
محوِ تدریس اس جگہ تھے وظیفے کے بغیر صاحبانِ علم و دانش، وارثانِ حال و قال
مہتمم صاحب کا گھر تھا مطبخِ اربابِ درس طالب علموں کی کیا کرتے تھے وہ خود دیکھ بھال
جامعہ کی دشمنی میں سب اکٹھے ہو گئے بدسرشت و بدعقیدہ، بدزبان و بدخصال
اپنی فطرت کی تسلّی کے لئے شام و پگاہ اپنی حرکاتِ قبیحہ سے دلاتے اشتعال

اہلِ دیں ہیں نام کے، پر ہیں عدو کردار میں   آج تک جن کی جبینوں پر نہیں ہے انفعال
ناظمِ اعلیٰ ہوئے تھے جانشینِ مہتمم   مولانا سردار احمد کا ہوا جب انتقال
عبدِ قیّوم آپ کا اسمِ گرامی ہے رشید   جرأت و پامردئ کامل کی ہیں روشن مثال
ان پہ سایہ ہے خداۓ مصطفیٰ کا بے گماں   ان پہ ہے سرکارِ لائلپور کا لطفِ کمال
دشمنانِ دیں کے رستے میں ہیں اک کوہِ گراں   ہیں طبیعت کے اگرچہ منکسر، شیریں مقال
نامساعد جس قدر حالات آئے سامنے   جدّ وجہد و استقامت میں نہیں تھا کوئی کال
پائے استقلال میں لغزش نہ آئی آپ کے   مصطفیٰ کا تھا تصرف، ان کا تھا جود و نوال
سنتِ محبوب رب العالمیں میں سب سہا   گالیاں، تضحیک، پتھر، غنڈہ گردی کا کمال
مدتوں اک ابتلا کی ان پہ کیفیت رہی   اور تھے مسرور لالہ نہال چند کے نونہال
مارشل لا کی عدالت میں کیا ان کو معاف   ناظمِ اعلیٰ کے عفو و درگزر کی ہے مثال
زندگی ان کی عبارت ہے تو استقلال سے   دسیوں برسوں میں نہ آیا ان کی خاطر پر ملال
ایک دو شخصیتیں ان کی معاون بھی رہیں   جن کے قلب و جاں میں روشن ہوگئی شمعِ خیال
اب لوہاری گیٹ کے اندر عزیمت کا نشاں   اک عمارت جامعہ کی ہے بہ فضلِ ذوالجلال
عبدِ قیّوم آج بھی ہیں یاں پہ سرگرمِ عمل   کارنامہ ان کا تنظیم المدارس بے مثال
جامعہ کا ہیں شرف عبدالحکیم قادری   صاحبِ علم و یقیں ہیں، صدرِ اربابِ کمال
حضرتِ مولانا تابشؔ کی کتابِ مستطاب   پڑھ کے دیکھو عزم و استقلال کا یہ سارا حال

اب جہاں کی ظلمتوں کی فکر کیا محمودؔ کو
جامعہ کے ذکر سے روشن ہوئی بزمِ خیال

☆☆☆

نام کتاب: جامعہ نظامیہ رضویہ کا تاریخی جائزہ

مصنف: مولانا الحاج محمد منشا تابش قصوری مدظلہ

کمپوزنگ: محمد ثاقب نواز چشتی

0302-8988043

اشاعت اوّل: ستمبر 1976ء/۱۳۹۶ھ

اشاعت دوم: ستمبر 1986ء/۱۴۰۶ھ

اشاعت سوم: اپریل 2015ء/۱۴۳۶ھ

تعداد: ایک ہزار

صفحات: ۱۴۴

ناشر: بزمِ رضا جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور، پاکستان

جامعہ نظامیہ رضویہ شیخوپورہ

جامعہ نظامیہ رضویہ اندرون لوہاری گیٹ لاہور